دیباچہ طبع اوّل

سبب تالیف جس زمانے مین راقم الحروف علی گڈھ کالج مین تعلیم پاتا تھا وہان اردوئے معلّے کے نام سے ایک مفید علمی انجمن قائم تھی جس مین کالج کے باذاق طالب علم مختلف علمی مسائل پر عموماً اور اساتذۂ اردو کے کلام پر خصوصاً مضامین لکھا کرتے تھے۔ انجمن مذکور کے اکثر اعضا ایسے بھی تھے جو برباے شوق و زندہ دلی جلسہاے انجمن مین وقت مقررہ سے پہلے پہنچ جاتے تھے اور آغاز جلسہ تک غالب کے مشکل اور نازک اشعار کے معانی و مطالب کی نسبت بحث ہوا کرتی تھی چنانچہ راقم کو بھی حل دیوان غالب کا خیال اسی ذریعے سے پیدا ہوا

اگرچہ بوجوہ چند در چند اس انجمن کا وجود قائم نہ رہ سکا اور اکثر احباب کا زمانۂ قیام کالج بھی ختم ہو گیا غرض کہ وہ محفل ہی برہم ہو گئی۔ لیکن راقم کے دل مین شرح دیوان غالب کا خیال قائم رہا اور کچھ دنون مین پورے دیوان کی شرح تیار ہو گئی

شکریۂ احباب سنہ ۱۹[illegible]ء مین انجمن اردوے معلّے کے بعض ارکین کالج مین اتفاقیہ طور پر پھر جمع ہو گئے اور کبھی کبھی شعر و سخن کا بھی چرچا ہونے لگا راقم حروف نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اکثر شائقین کی [illegible] مین اپنی [illegible] کہ وہ شرح بھی سنانا شروع کی اور اکثر موقعون پر اپنے محترم دوستون مثلاً قاضی شمس الضحی صاحب[1] آنگریبل اے پروفیسر ظریف محمد صاحب[2] ایم اے حاجی محمد خان صاحب بی اے محمد علا الدین صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رانچی مرزا محمد اکرم صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر سیونی کے مشورہ صائب اور نکتہ چینی درست سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور اسی زمانے سے اس مجموعے کی اشاعت کا بھی خیال پیدا ہوا

طریق شرح بعض احباب کی یہ راے تھی کہ پہلے دیوان ہو اس کے بعد شرح لیکن راقم نے بلحاظ آسانی ناظرین اس طریق کو ترجیح دی کہ ہر غزل کے بعد اس کے مشکل اشعار کا مطلب درج کر دیا جاے تاکہ بار بار ورق الٹنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

ادائے مطالب اشعار مین سب سے زیادہ لحاظ اختصار اور سادگی کا رکھا گیا ہے یعنی جہان تک ہو سکا ہے شعر کا صرف ایک مفہوم مختصر عبارت مین صاف صاف لکھ دیا ہے مشکل الفاظ کے لغوی معنے علٰحدہ لکھنے کے بجاے اشعار کی شرح کے ضمن مین اس طور پر ادا کر دیے کہ قلیل

---

[1] افسوس کہ آپ نے ایل ایل بی ہو کر بمقام گورکھپور انتقال کیا۔

[2] افسوس کہ مسٹر ظریف نے بھی بحالت سفر بمقام دزنگا پاٹم سنہ ۱۹۱۵ع مین انتقال کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

غالب کا حال

نام و خاندان میرزا اسد اللہ خان نام غالب تخلص المعروف بہ میرزا نوشہ المخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ (از جانب بہادر شاہ ظفر) اردو مین کبھی اسد بھی تخلص کرتے تھے مرزا کے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے چنانچہ ایک مقطع پر خود لکھتے ہین ؎

ایبکم از جماعۂ اتراک	در تمامی ز ماہ دہ چندیم
فن آبائے ماکشاورزیست	مرزبان زادۂ سمرقندیم

میرزا کے دادا سمرقند سے آکر شاہ عالم کے عہد مین فوج مین نوکر ہوئے تھے اور میرزا کے والد عبد اللہ بیگ خان پہلے لکھنؤ مین نواب آصف الدولہ کے ہان نوکر ہوے اسکے بعد حیدرآباد مین ۳۰۰ کی جمعیت سے کئی برس تک ملازم رہے آخر مین الور پہونچے وہان ایک گڑھی پر یورش کی اثنا مین ان کے گولی لگی اور انتقال کیا غرضکہ ہندوستان مین مرزا کا خاندانی پیشہ سپاہ گری رہا اور اس سے پہلے بھی تھا جیسا کہ انھون نے خود لکھا ہے ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری	کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے

میرزا عبد اللہ بیگ خان کی شادی کمیدان خواجہ غلام حسین خان رئیس آگرہ کی بیٹی سے ہوئی تھی چنانچہ میرزا ماہ رجب ۱۲۱۲ھ مین آگرے ہی مین پیدا ہوے اور وہین پرورش اور تعلیم بھی پائی۔

تعلیم شیخ معظم اُس زمانے مین آگرے کے نامی معلمون مین سے تھے میرزا نے ابتدا مین اُنھین سے تعلیم پائی لیکن بعض لوگون کا خیال ہے کہ میرزا میان نظیر اکبرآبادی کے شاگرد تھے ممکن ہے کہ یہ روایت بھی صحیح ہو کیونکہ میان نظیر بھی آگرے کے مشہور معلم تھے لیکن یہ شاگردی صرف ابتدائی درسی کتابون تک محدود تھی ورنہ شاعری کے باب مین میرزا کو مبدء فیاض

کے سوا نہ شیخ معظم سے تلمذ تھا نہ میاں نظیر سے اور یہی حال فارسی کا بھی ہے کہ کہنے کو میرزا نے دو سال تک عبد الصمد ایرانی سے فارسی زبان سیکھی ورنہ درحقیقت اس زبان سے ان کو قدرتی مناسبت تھی۔ ملا عبد الصمد جن کا آتش پرستی کے زمانے مین ہرمزد نام تھا عربی کے بھی فاضل تھے۔ لیکن مرزا نے عربی صرف و نحو کے سوا اور کچھ اُستاد سے نہیں پڑھا تھا البتہ اپنی فطری قابلیت سے اُنھون نے وہ کچھ حاصل کر لیا تھا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم سے جید عالم کے روبرو ہر قسم کے علمی مباحثون اور تذکرون مین بھی شریک رہتے تھے اور اس سلیقے سے گفتگو کرتے تھے کہ "مولانا ئے مرحوم کو باوجود کوشش، مرزا کا مبلغ علم دریافت نہ ہو سکا"

حلیہ عنفوان شباب مین مرزا شہر کے نہایت حسین و خوش رو جوانون مین شمار کیے جاتے تھے اور بڑھاپے مین بھی ان کے چہرے اور قد و قامت سے حسن و خوبصورتی کے آثار نمایان طور پر نظر آتے تھے اور اس حالت مین بھی وہ ایک نو وارد تورانی معلوم ہوتے تھے

سکن ۱۲۲۵ھ مین مرزا کی شادی نواب الٰہی بخش خان معروف کے ہان ہو گئی اور اسی تقریب سے رفتہ رفتہ اُنھون نے آگرے کو چھوڑ کر دہلی کی سکونت اختیار کر لی اور پھر آخر عمر تک یہین رہے لیکن وارستہ مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کرایے کے مکان مین رہے کبھی کوئی مکان اپنے لیے نہین خریدا، اسی طرح مطالعے کے لیے بھی باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل مین گذری کبھی کوئی کتاب نہین خریدی ہمیشہ کرایے پر کتابین منگواتے رہتے تھے۔

معاش میرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خان انگریزی فوج مین رسالدار تھے اور ان کے نام نواح آگرہ مین دو پرگنے مقرر ہو گئے تھے ان کے بعد سرکار نے اُن کے وارثون کی پنشنین فیروز پور جھرکہ کی ریاست سے مقرر کرا دین جس مین سے ۷۰۰ سالانہ مرزا کو غدر تک ملتا رہا مگر فتح دہلی کے بعد تین برس تک یہ پنشن قلعے کے تعلقات کی وجہ سے بند رہی علاوہ برین بہادر شاہ کی طرف سے جو پچاس روپے ماہوار خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کے عوض مین ملتے تھے ان کا ملنا بھی موقوف ہو گیا۔ غرض کہ دو سال مرزا نے بہت عسرت کی حالت مین بسر کی۔ مگر دو سال کے بعد نواب یوسف علی خان مرحوم رئیس رام پور نے سو روپیہ ماہوار

ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا جو نواب کلب علی خان مرحوم نے بھی بدستور مرزا کے آخر دم تک جاری رکھا اور غدر سے تین برس بعد جب میرزا ہر ایک الزام سے بری ثابت ہوئے تو سرکاری پنشن بھی جاری ہو گئی تاہم اُن کو کبھی وہ فارغ البالی نصیب نہ ہوئی جو اُن کے خاندان اور کمال کے شایان تھی۔ لیکن مرزا کبھی اس کے لیے دل تنگ نہ ہوتے تھے

اولاد و شاگرد ابتدا میں مرزا کے سات بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔ غدر سے چند سال قبل جب ان کی بی بی کے بھانجے زین العابدین خان عارف کا انتقال ہو گیا تو میرزا نے ان کے دو بیٹوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ وہ اُن کو حقیقی اولاد سے بھی کچھ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے مگر مرزا کے بعد دونوں جوان عمر میں فوت ہو گئے۔

عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجہ کا تعلق تھا کیونکہ قرابت کے علاوہ مرزا کے شاگردوں میں وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے اور باوجود دیرگوئی کے نہایت خوش گو تھے انھیں کے مرنے پر میرزا نے وہ مشہور اور دردناک غزل لکھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف	کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف کے علاوہ میرزا کے اور بھی کئی شاگرد مشہور و معروف ہیں مثلاً

(۱) نواب ضیاءالدین خان جو فارسی میں نیّر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔
(۲) منشی ہرگوپال تفتہ اکبرآبادی جن سے فارسی کے چار ضخیم دیوان یادگار ہیں۔
(۳) مرزا قربان علی بیگ سالک جن کا کلیات چھپ گیا ہے اور قابل دید ہے۔
(۴) میر مہدی حسین مجروح جن کا دیوان شائع ہو چکا ہے اور جن کے نام عود ہندی میں مرزا کے اکثر خطوط درج ہیں۔
(۵) خواجہ الطاف حسین حالی[1] جن کی تصنیفات مشہور ہیں۔ راقم نے مرزا کے حالات زیادہ تر انھیں کی کتاب یادگار غالب سے منتخب کر کے لکھے ہیں۔

(۶) نواب علاؤالدین خان علائی (۷) محمد زکریا خان زکی (۸) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی گورنمنٹ پنشنر حافظ خان محمد خان شہیر۔ عاشق حسین عاشق۔ میاں داد خان سیاح۔ نواب شہاب الدین خان ثاقب۔

[1] آخر ۱۹۱۴ع میں آپ نے بھی انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (حسرت)

قمرالدین خان راقم ۔ عزیز ۔ آگاہ ۔ ادیب ۔ مقصود ۔ سخن ۔ شائق اور طالب بھی قابل ذکر ہین

تصنیفات | مرزا کے تصانیف مین سے تقریباً کل چیزین چھپ کر شائع ہو چکی ہین مثلاً

(۱) دیوان اردو جس کو مولانا فضل حق خیرآبادی کی رائے سے مرزا نے اپنے بڑے دیوان سے منتخب کر کے چھپوایا ہے۔

(۲) عود ہندی (۳) اردوے معلّٰے ۔ ان دونون کتابون مین مرزا کے خطوط ہین جن کی نسبت بلامبالغہ یہ کہنا صحیح ہے کہ موجودہ اردو انشا پردازی کی بنا انھین نے ڈالی ہے

(۴) کلیات نثر و نظم فارسی (۵) قاطع برہان اور اس کے جواب الجواب ۔ قاطع برہان مین مرزا نے برہان قاطع کی غلطیان نکالی تھین ۔ اس کتاب کی بعض لوگون نے سخت مخالفت کی مثلاً مولوی احمد علی پروفیسر مدرسہ ہگلی نے مؤید البرہان اور حافظ عبدالرحیم میرٹھی نے ساطع برہان لکھی ان دونون کتابون کا جواب میرزا نے تیغ تیز اور نامۂ غالب مین دیا

(۶) پنج آہنگ (۷) مہر نیم روز یعنی خاندان تیمور کی نامکمل تاریخ ہمایون کے حالات تک (۸) دستنبو حالات غدر مین (۹) گل رعنا یعنی انتخاب دیوان اردو و فارسی جن مین سے ہم نے چند ایسے اشعار جو مطبوعہ دیوان مین نہین ہین اس کتاب کے آخر مین نقل کر دیے ہین (۱۰) لطائف غیبی اور سبد چین وغیرہ متفرق رسالے۔

اخلاق و عادات | مرزا کے اخلاق و عادات کی نسبت یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ان کی ذات اگلے زمانے کے شرفا کی وضع و صفات کا بہترین نمونہ تھی۔

وسیع الاخلاق ایسے تھے کہ ہر مذہب و ملت مین اُن کے بے شمار مخلص دوست موجود تھے اور بیماری کی حالت مین بھی وہ اپنے دوستون کے خطوط کے جواب اور غزلون کی اصلاح سے باز نہ آتے تھے۔

فراخ حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا ۔ وہ غریبون اور محتاجون کی مدد اپنی بساط سے زیادہ کرتے تھے ۔ اس لیے اکثر تنگ رہتے تھے خودداری کی یہ کیفیت تھی کہ بازار مین بغیر پالکی یا ہوادار کے نہین نکلتے تھے اور عمائد شہر مین سے جو لوگ اُن کے مکان پر نہین آتے تھے وہ بھی کبھی

اُن کے مکان پر نہین جاتے تھے - اور یہ قصہ تو عام طور پر مشہور ہے کہ جب دہلی کالج کی پروفیسری کے لیے مرزا صاحب بلائے گئے تو صرف اس بات پر واپس چلے آئے کہ مسٹر ٹامسن جو ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر بھی رہ چکے تھے ان کے استقبال کو نہین آئے -

ان صفات کے علاوہ مرزا بڑے حق پسند - راست گفتار - مرنجان مرنج اور غیر متعصب تھے چنانچہ کسی کو ان کے اصلی مذہب کی بابت سوا اس کے اور کچھ نہ معلوم ہوا کہ ان کو اہل بیت رسالت سے بے انتہا عشق تھا اور بس - غالباً مرزا شیعہ تفضیلیہ تھے - لیکن مولانا فخر الدین قدس اللہ سرہ کے خاندان کے مرید بھی تھے اور انتقال کے بعد نواب ضیاء الدین خان مرحوم نے تجہیز و تکفین کے تمام مراسم اہل سنت کے موافق ادا کیے -

باوصف ان خوبیون کے بر بنائے آزادہ روی و رندانہ مزاجی مرزا کے شغل شراب اور اس کے متعلق بہت سی حکایتون اور لطیفون کا تذکرہ آب حیات آزاد - اور یادگار غالب مین موجود ہے -

علاوہ برین مرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی - اور چوسر جب کبھی کھیلتے تھے برائے نام کچھ بازی بد کر کھیلا کرتے تھے - اسی چوسر کی بدولت سنہ ۱۲۶۴ھ مین کوتوال شہر کی دشمنی سے مرزا کو کچھ دنون قید کی بھی سختی اٹھانا پڑی -

شعر و سخن کے باب مین مرزا کو اپنے کمال فن پر بہت کچھ ناز تھا اور بجا تھا - وہ خسرو اور فیضی کے سوا ہندی شعرا مین سے کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے چنانچہ جس زمانے مین کہ مرزا اپنی پنشن کے بارے مین استغاثہ پیش کرنے کلکتے گئے ہین اور وہان کے بعض لوگون نے ان کے اشعار پر اعتراض کر کے مرزا قتیل کا قول سنداً پیش کیا ہے تو آپ نے جواب مین مثنوی باد مخالف لکھی جس کے دو چار شعر یہ ہین -

اے تماشائیان بزم نگاہ	ہان بگوئید حسبۃً للہ
دامن از کف کنم چگونہ رہا	طالب و عرفی و نظیری را
خاصہ روح و روان معنی را	آن ظہوری جہان معنی را

قتنۂ گفتگوے اینا نم آن کہ طے کردہ این مواقف را	مست لاے سبوے اینانم چشم شناسد قتیل و واقف را

لیکن اس آن بان کے ساتھ انصاف کو بھی کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے چنانچہ شیخ ابراہیم ذوق جن کی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو اُن سے چشمک تھی ایک روز کسی نے مرزا کے سامنے اُن کا یہ شعر پڑھا ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائینگے	مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

مرزا شطرنج کھیل رہے تھے اس شعر کو سن کر شطرنج چھوڑ دی - بار بار اس کو پڑھواتے تھے اور سر دھنتے تھے - اسی طرح مومن کا یہ شعر ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا	جب کوئی دوسرا نہین ہوتا

سن کر کہا "کاش مومن خان میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھکو دے دیتا" اس بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ سخن سنجی کی طرح سخن فہمی مین بھی مرزا یکتاے روزگار تھے - سلامتی طبع - محققانہ نظر اور حق پسندی مین بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے - کبھی کسی کو بیجا داد دی اور نہ کبھی قابل داد کلام سے ستایش جائز کو دریغ رکھا -

خاتمہ | مرزا نے ۷۳ برس چار مہینے کی عمر مین سنہ ۱۲۸۵ھ مطابق سنہ ۱۸۶۹ع کی ۱۵ فروری کو انتقال کیا اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ مین دفن ہوے انا للہ وانا الیہ راجعون - مرنے سے پہلے اُنھون نے اپنی تاریخ وفات "غالب مرد" ۱۲۷۷ھ کہی تھی لیکن مرزا کا انتقال آٹھ سال بعد ہوا اور اکثر لوگون نے "آہ غالب بمرد" سے تاریخ نکالی - مرزا کو پیروی عوام سے سخت نفرت تھی چنانچہ اسد کو بدل کر غالب تخلص رکھنے کی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ اُس زمانے مین اسد کسی معمولی شاعر کا تخلص بھی نکل آیا تھا - اور اپنے پیش کردہ مادۂ تاریخ کے غلط ہونے کی توجیہ بھی مرزا نے اس طور پر کی کہ سنہ ۱۲۷۷ھ مین اس لیے نہ مرا کہ اس سال وبائے عام تھی اور مجھکو عوام کے ساتھ مرنا منظور نہ تھا - فقط

مرزا کی شاعری

میر تقی میر نے جو مرزا کے ہم وطن تھے اُن کے لڑکپن کے اشعار سُن کر یہ کہا تھا کہ "اگر اس لڑکے کو کوئی اُستاد کامل مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا ورنہ مہمل بکنے لگے گا"۔

اس قول سے معلوم ہو سکتا ہے کہ میر صاحب کی نظر تنقید سخن کے باب مین کتنی گہری اور سچی تھی۔ حقیقت مین مرزا نے کچھ تو اپنی فطری ذکاوت اور دشوار پسندی کی بنا پر اور کچھ فارسی کی طبعی مناسبت اور ملا عبدالصمد کی تعلیم کے اثر سے ابتدا مین وہ جو بیدل کا سا رنگ اختیار کیا تھا، اگر اسی پر قائم رہتے اور سلامت طبع یا بعض صحیح المذاق احباب کی نکتہ چینی تبدیلی رنگ سخن کا باعث نہ ہو جاتی تو اس مین کچھ شبہ نہین ہے کہ اُن کا کلام مہمل سمجھا جاتا اور عوام کی طرح خواص مین بھی مقبول نہ ہوتا۔

لیکن مرزا کی قسمت مین چونکہ ایک عدیم المثال اور کامل شاعر ہونا لکھا تھا اس لیے بہ اعانت ذہن سلیم و طبع اثر پذیر اُن کے کلام سے اشکال اور پیچیدگی کا عیب بتدریج کم ہو کر ہنر کے درجے کو پہونچ گیا۔

ابتدائی رنگ سخن ملاحظہ ہو ۔

اسد ہم وہ جنون جولان گدائے بے سر و پا ہین
کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا

یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا
یان جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع
چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

حُسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے
آئینہ زانوے فکر اختراع جلوہ ہے

ان اشعار مین اشکال مضمون کے علاوہ الفاظ بھی اس قدر غریب اور ثقیل آئے ہین جن کی کوئی شخص تعریف نہین کر سکتا۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا مرزا کی شاعری سے ثقل و پیچیدہ کلامی کا یہ عیب
رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا - چنانچہ اُن کے اشعار کا درمیانی رنگ فی الجملہ قابل اعتراض
نہین ہے بلکہ بعض بعض موقعون پر فارسی الفاظ اور ترکیبون کو اُردو کے ساتھ اِس
بند و بست اور ہنر کے ساتھ ملایا ہے کہ اُس کی داد نہ دینا ظلم ہے - ملاحظہ ہو ؎

تپش سے میری وقف کشمکش ہر تار بستر ہے — مرا سر رنج بالین ہے مرا تن بار بستر ہے
سرشک سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے — دل بے دست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے
خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — فروغ شمع بالین طالع بیدار بستر ہے

ہے آرمیدگی مین نکوہش بجا مجھے — صبح وطن ہے خندۂ دندان نما مجھے
آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست — ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

یہان پر نقش درست کیا - فارسی محاورے کا ترجمہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مرزا نے
اس کے ترجمے کو اُردو شعر مین کس طرح گوارا بنا دیا ہے - اس قسم کے ترجمون کی متعدد مثالین
مرزا کے کلام سے مل سکتی ہین جو قابل اعتراض نہین ہین لیکن مستحق ستایش بھی نہین ہوسکتین مثلاً
ع "شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا" - یہان مرغوب آیا محاورۂ فارسی کا تتبع ہے -
ع "اُگا ہے گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر" - "تماشا کر" بھی "تماشا کردن" سے لیا گیا ہے -

نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بیوفائی کا ؎ بہ مہر صد نظر ثابت ہے دعوی پارسائی کا
زکات حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا — چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا
تمنائے زبان محو سپاس بے زبانی ہے — مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا
نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے — کہ حسرت سنج ہون عرض ستمہائے جدائی کا

مطلع مین "رسوا بے وفائی کا" ترجمہ ہے "رسوائے بے وفائی کا"
دوسرے شعر مین جلوۂ بینش کی روشن ترکیب اور باقی دو شعرون مین اردو
اور فارسی الفاظ کی خوبی آمیزش کو مرزا کے درمیانی رنگ سخن کا پسندیدہ نمونہ سمجھنا چاہیے
اہل نظر پر مخفی نہ ہوگا کہ یہ انداز اگرچہ اُسی ابتدائی اور اُلجھے ہوے فارسی انداز
سے مشتق اور مماثل ہے لیکن مشق اور احتیاط نے دونون مین کس قدر فرق نمودار

کر دیا ہے۔ وہ ثقیل اور ناگوار تھا۔ یہ لطیف اور گوارا بلکہ منظور اور مرغوب ہے اس میں نقص اور خامی کی علامتیں پائی جاتی تھیں تو اس میں کمال اور پختگی کی جھلک نظر آنے لگی ہے ارباب مذاق دیکھیں گے کہ مرزا کے کلام کا یہ حسن روز افزون نہیں پر نہیں ٹھیرا بلکہ مشق جاری کے ساتھ خوبی اور دل پذیری کے تمام درجے طے کرکے اس مرتبے پر فائز ہوا کہ عدیم المثالی کی شان میں یکتا قرار پایا۔ ملاحظہ ہو۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں	خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں
نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں	تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں
واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب	یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہوگئیں
رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج	مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں
کسی کو دیکے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو	نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں	سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے	ہوئے تم دوست جسکے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

اس آخری شعر کے مصرع ثانی میں مرزا نے تکرار الفاظ اور شوخی بیان کا عجیب و غریب نمونہ پیش کیا ہے اور یہ وہ انداز کلام ہے جو مرزا کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس رنگ کا اور بھی ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں	شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں

اس مطلع میں بھی مصرع اول کی بندش میں "نہیں" کا لفظ شروع میں اس سلیقے اور اہتمام کے ساتھ رکھا گیا ہے کہ پورے شعر میں جان پڑگئی ہے۔

مرزا کے اس آخری انداز کلام میں فصاحت اور بلاغت کی شانیں اس خوبی کے ساتھ فراہم ہوئی ہیں کہ کمال سخن سنجی کی اس سے بہتر مثال ذہن میں نہیں آتی۔ کیا خوب کہا ہے ؎

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے	چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمائش ہے

نہین کچھ سبحہ و زنار کے پھندے مین گیرائی
وفاداری مین شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونون کو اک ادا مین رضامند کر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیان کہان
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروے شیوۂ اہل نظر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مرزا کے خصوصیات کلام مین سے یہ بات عجیب ہے کہ جب کبھی وہ فارسی ترکیبون سے گذر کر سہل ممتنع پہ آجاتے ہین تو سادگی اور روانی کا دریا بہا دیتے ہین مثلاً

دل نادان تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہون
مین نہین جانتا دعا کیا ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہین جانتے وفا کیا ہے

مین نے مانا کہ کچھ نہین غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

کیا بیان کر کے مرا روئین گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کے تم مرے لیے ہوتے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گلا کرے کوئی

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے	بے نیازی تری عادت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے	کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے اسد	گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ان اشعار کی خوبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان مین سے اکثر مقبول انام ہو کر ضرب المثل کے درجے تک پہونچ چکے ہین۔

یہان تک مرزا کے الفاظ۔ ترکیب اور بندش کی خوبیون پر بحث کر کے جب ہم ان کے کلام پر بحیثیت مضمون ومعنی نظر ڈالتے ہین تو اس شان مین بھی اُسے یکتا تسلیم کرنا پڑتا ہے یعنی اس لیے کہ جذبات انسانی کی جیسی سچی تصویر مرزا نے بصورت اشعار پیش کی ہے اس کا جواب میر کے بعد کسی دوسرے شاعر کے کلام مین مشکل سے دستیاب ہو سکے گا۔

لاریب مرزا نے بعض بعض اشعار کے اجمال مین سلسلہ خیالات وجذبات کی ایسی تفصیل پنہان کی ہے جن کی تشریح کے لیے دفتر بھی ناکافی ثابت ہون تو عجب نہین۔ ملاحظہ ہو۔

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا	پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہین
رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے	تکلف برطرف۔ تھا ایک انداز جنون وہ بھی
مین سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہون	یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
گو مین رہا رہین ستمہائے روزگار	لیکن ترے خیال سے غافل نہین رہا
عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب	دل کا کیا حال کرون خون جگر ہونے تک
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو	یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے	کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا	مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے
بس ہجوم ناامیدی خاک مین مل جائیگی	وہ جو اک لذت ہماری سعی بیحاصل مین ہے
جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو	یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

ارباب شوق غور کرین کہ ان اشعار مین سے ہر شعر وسعت و حقیقت مضمون کے لحاظ سے ایک دفتر سے کم نہین۔

کسی ایسے مضمون کا تلاش کرنا جو کسی کے ذہن مین نہ گذرا ہو بڑا ہنر ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر کمال ان مضامین کا ادا کرنا ہے جو صاحب دل لوگون کے ہر وقت پیش نظر رہتے ہین اور جن سے ہر صاحب درد واقف ہوتا ہے لیکن جن کا اظہار بذریعۂ الفاظ نہین ہو سکتا۔

اس قسم کے خیالات کا قید بیان مین لانا ہر شخص کا کام نہین ہے لاریب مرزا نے مندرجۂ بالا اشعار مین جذبہ نگاری کا وہ کمال صرف کیا ہے جس کی مثال ایشیائی شاعری تو کیا مغربی شاعری مین بھی بدقت دستیاب ہوگی۔

کلام غالب کے صفات معنوی مین دوسرے درجے پر وہ خصوصیت ہے جس کو نزاکت معنی سے تعلق ہے اور یہی وہ خوبی ہے جس سے مرزا کے اشعار کی دلچسپی توجہ اور غور کے ساتھ افزدن ہوتی جاتی ہے جب پڑھیے گا نیا سرور حاصل ہوگا اور جے بار دیکھیے گا وسعت مضمون اور نزاکت معنی کی کیفیتون کو نئی اور پہلے سے بہتر صورت مین جلوہ گر پائیگا۔ مثلاً

(۱) کہتے ہو نہ دین گے ہم دل اگر پڑا پایا	دل کہان کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

سرسری طور پر ملاحظہ کیجیے تو اس شعر کا مفہوم معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن نگاہ غور سے دیکھیے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پا لیا ہے اور یہ باتین کہ اگر ہم تیرا دل پائین گے تو نہ دین گے دل پا لینے کے بعد کی ہین۔ یعنی جیسے لوگ گم شدہ چیز پا کر چھیڑنے کے لیے مالک شے سے کہا کرتے ہین"۔

(۲) تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا	اورون پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو کسی کا بھی دوست نہین ہے اور تیرا جور مجھی تک نہین ہے بلکہ اورون پر بھی ہے اور مجھ سے زیادہ ہے۔ لیکن غور کرنے سے یہی

مطلب ممکن ہے کہ شاعر کہتا ہو کہ جو ظلم مجھ پر نہیں ہوا وہ تو اوروں پر کر رہا ہے اور مجھے چونکہ شرکت اغیار کسی صورت سے گوارا نہیں ہے اس لیے تیرا ظلم نہ کرنا بھی گویا مجھ پر ایک ظلم عظیم ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ میرے متعلق تیرا ترک جور برنائے دوستی نہیں ہے۔

(۳) کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق	ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد

اس شعر کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں مے مرد افگن عشق کا ساقی یعنی معشوق بار بار صلا دیتا ہے یعنی لوگوں کو شراب عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شراب عشق کا خریدار نہیں رہا اس لیے اس کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوئی ہے۔

مگر زیادہ غور کرنے کے بعد جیسا کہ مرزا خود بیان کرتے تھے اس میں ایک نہایت لطیف معنے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ پہلے مصرع کو وہ مکرر پڑھ رہا ہے ایک دفعہ بلانے کے لہجے میں پڑھتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی ہے جو مے مرد افگن عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو اسی مصرعے کو مایوسی کے لہجے میں مکرر پڑھتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ (از یادگار غالب)

(۴) کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز	کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

اس شعر سے دو نازک معنے پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس بت پر جان قربان کرنا عین ایمان ہے دوسرے یہ کہ وہ بت میرا ایمان ہے پس جان ایمان پر سے قربان۔

(۵) مجھکو دیار غیر میں مارا وطن سے دور	رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

دور رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم" کیونکہ دیار غیر میں میرا کوئی شناسا نہ تھا اس لیے اگر وہاں بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہ ہوئی یا یہ کہ وطن سے دور مارے جانے میں بے کسی کی شرم رہ گئی کیونکہ وطن میں مارا جاتا تو بے کسی کی تکمیل نہ ہوتی۔

(۶) قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں		میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

"میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں" یعنی مجھکو معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی جانب سے کسی تحریر کے آنے کی امید ہوتی تو دوسرا خط لکھنے کے لیے اس کا انتظار کیا جاتا۔ لیکن چونکہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے اس لیے جواب خط کا انتظار بے کار ہے چاہیے کہ "قاصد کے آتے آتے" الخ

(۷)	دوستی کا پردہ ہے بیگانگی		منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے	

کہتا ہے کہ تم مجھ سے خصوصیت کے ساتھ مُنہ چھپانا چھوڑ دو یعنی جس طرح سب کے ساتھ بے تکلف بے حجاب اور بیگانہ وار رہتے ہو اسی طرح میرے ساتھ بھی رہو کیونکہ اس قسم کی بیگانگی دوستی کا پردہ ہوتی ہے یعنی اس سے لوگوں کو محبت کا حال معلوم نہیں ہونے پاتا۔

مثالاً یہ چند اشعار اور اُن کے علاوہ اور بہت سے شعر ایسے ہیں جن کے مفہوم پر جس قدر غور کیجیے گا اُسی قدر اُس کی نزاکت دریافت ہوتی جائیگی۔

ان چند مخصوص خوبیوں کے علاوہ مرزا کا کلام شاعری کے عام محاسن کے اعتبار سے بھی ممتاز نظر آتا ہے۔

استعاروں کی ندرت تشبیہوں کی تازگی اور اشاروں کی نزاکت و لطافت کی مثالوں سے مرزا کا دیوان بھرا پڑا ہے۔

عامیانہ مذاق اور مبتذل بازاری الفاظ نیز فحش اور ہجو سے مرزا کا کلام بالکل پاک ہے۔ مرزا کی شاعری عاشقانہ ضرور ہے لیکن اُنھوں نے عشق کے معنے بوالہوسی کے نہیں لیے ہیں اور اس لیے اُن کے خیالات میں دنارت اور پستی کے بجائے متانت اور شائستگی کی ایسی شان پائی جاتی ہے جس کی مثال شعرائے لکھنؤ کے کلام میں ناپید ہے اور متاخرین شعرائے دہلی کے کلام میں کمیاب ہے۔

ہم نے مرزا کی شاعری کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی مجموعی حیثیت کے

لحاظ سے لکھا ہے ورنہ از قبیل شاذ اُن کے دیوان مین ایسے اشعار اور الفاظ بھی موجود ہین جن پر مذاق صحیح اور زبان صحیح دونون کی جانب سے اعتراض وارد ہوسکتے ہین۔ مثلاً۔

۱۔ سینہ مین گذرتے ہین جو کوچے سے وہ میرے	کندھا بھی کہارون کو بدلنے نہین دیتے

اس شعر کا مذاق مرزا کی شان شاعری کے بالکل خلاف ہے جیسے ہم عام طور پر عامیانہ خیالات اور الفاظ سے پاک بیان کرچکے ہین۔

۲۔ غم کھانے مین بودا دل ناکام بہت ہے	یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام۔ بہت ہے
۳۔ بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے	مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
۴۔ جلا ہے جسم جہان دل بھی جل گیا ہوگا	کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے

یہان دوسرے شعر مین "بودا" تیسرے مین "بھون" اور چوتھے مین "کریدتے ہو" بغایت ناگوار اور ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہین۔

۵۔ خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین	کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

اس شعر مین پہلا مصرعہ خوب ہے لیکن دوسرے شعر مین "جانان کا دامن" نہایت غیر فصیح واقع ہوا ہے۔

۶۔ بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار مین	فرمان روائے کشور ہندوستان ہے

یہان کشور ہندوستان کی فارسی ترکیب مین اعلان نون غلط ہے۔ اگرچہ اس کی نسبت یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ مرزا کے وقت تک ایسا لکھنا ناجائز نہین سمجھا جاتا تھا۔

۷۔ دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے	ہمین دماغ کہان حسن کے تقاضا کا

یہان "تقاضے کا" کی جگہ "تقاضا کا" بالکل بے قاعدہ اور محض بضرورت قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔

۸۔ سادہ پرکار ہین خوبان غالب الخ

یہان خوبان کا لفظ اردو محاورے کے خلاف ہے۔

۹۔ قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب	وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۱۰- شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے ‌ ‌ ‌ داغ دل بے درد گذرگاہ حیا ہے

ان دونون شعرون مین "نہین" کی جگہ "نہ" غلط آیا ہے

۱۱- آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے ‌ ‌ ‌ نقش پا جو کان مین رکھتا ہے انگلی جادہ سے
بزم مے وحشت کدہ ہے کس کی چشم مست کا ‌ ‌ ‌ شیشے مین نبض پری پنہان ہے موج بادہ سے

یہان پر دوسرے شعر پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قافیہ "بادہ" اور "جادہ" ہے۔ لیکن پہلے شعر مین اردو ترکیب کے اعتبار سے "جادے سے" چاہیے نہ کہ "جادہ سے" اور اس لیے قافیہ غلط ٹھیرتا ہے۔

۱۲- اور مین وہ ہون کہ گر جی مین کبھی غور کرون ‌ ‌ ‌ غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

یہان پر قاعدے کے رو سے "مجھے" کے بعد "اپنی اوقات سے" آنا چاہیے تھا لیکن مرزا نے خلاف قاعدہ "مجھے میری اوقات سے نفرت ہے" نظم کر دیا ہے۔

مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی نے اپنی شرح دیوان غالب مین مرزا کی اس قسم کی اور بھی بہت سی غلطیان دکھائی ہین جن کا کچھ جواب نہین ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک صحت زبان و محاورہ کی جانب سے بے پروائی مرزا ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے بلکہ شعرائے دہلی عموماً خوبی مضمون کے مقابلے مین درستی الفاظ کا زیادہ خیال نہین رکھتے ہین۔

زبان کے معاملے مین غالب کے دہلوی ہمعصرون مین سے استاد ذوق سب سے زیادہ محتاط ہین اور اسی لحاظ سے ہمارے نزدیک اگرچہ بحیثیت مجموعی غالب ذوق و مومن سے افضل ہین۔ لیکن صرف اُردو شاعری کے لحاظ سے ذوق کا درجہ غالب سے اور غالب کا مرتبہ مومن سے بلند ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

۱؎ نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا — کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
۲؎ کاو کاو سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ — صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
۳؎ جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے — سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
۴؎ آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے — مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

۵؎ بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

۱؎ نقش بمعنی تصویر۔ تصویر چونکہ کاغذ پر ہوتی ہے اس لیے اسے فریادی کہا کیونکہ ولایت میں فریادی کاغذی پیرہن پہن کر عدالت میں جاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہستی چونکہ موجب ملال و آزار ہے اس لیے تصویر بھی اپنے صانع کی بزبان حال شکایت کرتی ہے کہ مجھکو ہست کرکے کیوں مبتلائے رنج ہستی کیا۔ (ماخوذ از عود ہندی)۔ مقصود شاعر یہ ہے کہ ہستی بہرحال (یعنی اگرچہ مثل ہستی تصاویر اعتبار محض ہو) موجب آزار ہے۔ ۱۲

۲؎ یعنی شبہائے ہجر کا کاٹنا ویسا ہی سخت ہے جیسا کہ فرہاد کے لیے جوئے شیر کا لانا تھا صبح کی سپیدی اور جوئے شیر میں جو مشابہت ہے وہ ظاہر ہے۔ کاؤ کاؤ سے کاوش و کاہش مراد ہے۔ ۱۲

۳؎ یعنی عاشق کے شوق شہادت کی کشش کا یہ اثر ہے کہ دم شمشیر سینۂ شمشیر سے باہر نکلا پڑتا ہے۔

۴؎ یعنی ہماری تقریر ایسی ہے کہ اس کے مفہوم سے (باوجود کوشش بسیار) کوئی آگاہی نہیں حاصل

کر سکتا ۔ دام شنیدن بچھائے" یعنی سن کر سمجھنا چاہیئے ۱۲

۵؎ آتش زیرپا محاورہ فارسی مین بے قرار کو کہتے ہین ۔ موئے آتش دیدہ یعنی بال جو آگ کو دیکھ کر حلقہ دار اور کمزور ہو گیا ہو اور اس مین حلقہ زنجیر کی مشابہت پیدا ہو گئی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ میرے جنون بے قرار کے مقابلے مین حلقہ ہائے زنجیر کی مضبوطی کی کچھ ہستی نہین ہے ۔ آتش زیرپا کی رعایت سے غالب نے حلقۂ زنجیر کو موئے آتش دیدہ کہا ہے

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا	۱؎	تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
بہ فیض بے دلی نومیدی جاوید آساں ہے	۲؎	کشایش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہری قاتل	۳؎	کہ انداز بخون غلطیدن بسمل پسند آیا

۴؎	جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغ جگر ہدیہ مبارکباد اسدؔ غمخوار جان دردمند آیا	

۱؎ تسبیح مین چونکہ سو دانے ہوتے ہین اس لیے ظاہر ہے کہ شمار سبحہ سے "بیک کف بردن صد دل" کی تشبیہ نکلتی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کو شمار سبحہ اس وجہ سے پسند ہے کہ اس مین حسب خواہش عادت محبوب ایک ہی وار مین سو سو دل لے لینے کی مشابہت پائی جاتی ہے ۔۱۲

۲؎ کشایش نے اپنا عمل کرنے کے لیے ہمارے عقدۂ مشکل (نومیدی جاوید) کو پسند کیا اور ہماری مشکل آسان ہو گئی ۔ اس طور پر کہ ہم کو دنیا کی جانب سے جو بیدلی پیدا ہو گئی ہے اس کے سبب سے صدمۂ نومیدی جاوید کا برداشت کرنا آسان ہو گیا ہے ۔ کیونکہ غایت بیدلی کی حالت مین امید و ناامیدی یکسان ہو جاتی ہین ۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ خواہش سیر گل سے اُس بے درد کی بے مہری ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اُس جفا پسند کو تماشائے گل صرف اس وجہ سے پسند ہے کہ گل اپنی سرخی کی بنا پر بسمل بخون غلطیدن سے مشابہ ہوتا ہے

۴؎ غمخوار جان دردمند یعنی عشق آیا ہے اور جراحت و الماس و داغ جگر بطور ہدیہ ہمراہ لایا ہے اس لیے ہدیون پر مبارکباد دیکر اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے ۔ الماس کے کھا لینے سے دل و جگر زخمی ہو جاتے ہین ۔۱۲

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار	۱؎	صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا
آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست	۲؎	ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب مین خیال کو تجھ سے معاملہ		جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا
لیتا ہون مکتب غم دل مین سبق ہنوز	۳	لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا
ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی		مین ورنہ ہر لباس مین ننگ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

۱ چشم حاسد کی تنگی مشہور ہے یہی کہتا ہے کہ شاید صحرا بھی چشم حاسد کے مانند تنگ تھا کہ مجنون کے سوا صحرا نوردی کا پھر کوئی مرد میدان نہ نکلا ۱۲

۲ سویدا کو داغ سے اور آشفتگی کو دود سے تشبیہ دی ہے۔ مقصود شاعر یہ ہے کہ جس طرح دھوئیں سے داغ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آشفتہ خاطری اور پریشانی کے دود سے دل مین داغ سویدا کی صورت قائم ہوتی ہے

۳ یعنی ہنوز مبتدی ہون جس طرح لڑکے پہلے آمدنامہ پڑھتے ہین کہ رفت کے معنی گیا اور بود کے معنی تھا وغیرہ۔ لطف یہ ہے کہ رفت و بود دونون ماضی کے صیغے ہین جس سے مطلب یہ ہے کہ دل ابھی فراغت سے بالکل محروم ہے

کہتے ہو نہ دین گے ہم دل اگر پڑا پایا	۱	دل کہان کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا	۲	درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا
دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم	۳	آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری	۴	حسن کو تغافل مین جرأت آزما پایا
غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل	۵	خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا
حال دل نہین معلوم لیکن اس قدر یعنی		ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا
شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا	۶	آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

۱ ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پا لیا ہے اور یہ باتین کہ "اگر ہم تیرا دل پائین گے تو نہ دین گے" دل پا لینے کے بعد کی ہین یعنی جیسے لوگ کوئی گمشدہ چیز پا کر چھپانے کے لیے مالک شے سے کہا کرتے ہین۔

۲ عشق ایک درد لا دوا ہے لیکن وہی عشق درد زیست کی دوا بھی ہے کیونکہ اسی سے طبیعت نے زندگی کا مزا پایا ورنہ بغیر عشق کے زندگی گویا ایک درد تھی۔

۵۳ ہمارا دل دشمن کا دوست ہے اس لیے کہ اس نے جو آہ کی تو بے اثر اور نالہ کیا تو نارسا پس اس کا کیا اعتبار ہے۔ یہان شاید دشمن سے دشمنِ عشاق۔ یا دشمنِ وفا غرض کہ محبوب مراد ہے

۵۴ اہلِ حسن کی ظاہری سادگی اور بے پروائی سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مشتاقون کی جرأت کو آزمائین یعنی یہ دیکھین کہ اُن کو سادہ سمجھکر اربابِ اشتیاق جرأتِ گستاخی تو نہین کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی سادگی کو درحقیقت پرکاری اور بیخودی کو ہشیاری سمجھنا چاہیے۔ ۱۲

۵۵ یعنی غنچہ کو دیکھکر ہم کو اپنا دل گم گشتہ و خون شدہ یاد آیا کہ اس کی بھی یہی ہیئت تھی۔ یا یہ کہ آمدِ فصلِ گل سے ہمارا جوشِ جنون پھر تازہ ہو گیا ۱۲ پا یا بمعنی معلوم کیا۔

۵۶ آپ سے یعنی ناصح سے۔ آپ کا لفظ بطورِ طنز استعمال کیا گیا ہے۔

دل مرا سوزِ نہان سے بے محابا جل گیا — آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا
دل مین ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہین — آگ اس گھر مین لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
۱ مین عدم سے بھی پرے ہون ورنہ غافل بارہا — میری آہِ آتشین سے بالِ عنقا جل گیا
۲ عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہان — کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
۳ دل نہین تجھ کو دکھاتا ورنہ داغون کی بہار — اس چراغان کا کرون کیا کارفرما جل گیا

مین ہون اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھکر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

۱ اپنی نیستی کا حال بہ مبالغہ بیان کرتا ہے کہ پہلے جب مین فنا کے عالم مین تھا تو بارہا میری آہِ آتشین سے بازوے عنقا جل گیا کہ وہ بھی عدم مین تھا لیکن اب مین اس درجہ عدم سے بھی پرے ہون۔

۲ عرض کیجے یعنی پیش کیجیے۔ جوہرِ اندیشہ کی گرمی کا بیان یہ ہے کہ وحشت کا صرف خیال آیا تھا کہ اُسکے اثر سے صحرا جل گیا۔ یعنی چونکہ وحشت کی حالت مین صحرانوردی کی نوبت ضرور آتی اس لیے خیالِ وحشت سے صحرا جلنے لگا۔

۳ کارفرما یعنی حکم فرما۔ ہر کام کے لیے ایک کام لینے والا (کارفرما) اور بہت کام کرنے والے (کارکن) ہوتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ دل جو اس چراغاں یا داغوں کی بہار کا کارفرما تھا وہی نہ رہا ورنہ تجھکو اس چراغاں کی کیفیت دکھاتا ۱۲

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا	لہ	قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب	سلہ	تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا
بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل		جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد	سلہ	کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا
اے نوآموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند	سکہ	سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

لہ شوق یعنی عشق۔ رقیب یعنے دشمن۔ مطلب یہ ہے کہ عشق سر و ساماں کا دشمن ہے دیکھ لو کہ مجنوں تصویر میں بھی عریاں رہتا ہے۔ بقول غالب قیس کی تصویر عریاں ہی کھینچی جاتی ہے ۱۲

سلہ دوسرے مصرع سے "داد نہ دی تنگیِ دل کی" یعنی تنگیِ دل کو زائل نہ کیا۔
مطلب یہ ہے کہ تیر خود ضیق مقام سے گھبرا کر پرافشاں اور سراسیمہ نکل گیا وہ تنگیِ دل کی داد کیا دیتا (داد دہندی) اس شعر میں زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے کی ہے۔ مثلاً ایک دوسرے شعر میں بھی زخمِ تیغ کو جراحتِ پیکاں پر فوقیت دی ہے۔ لکھتا ہے ؎

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں	وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

سلہ یعنی میرے یارانِ ہمنشین میں سے ہر ایک میری حسرتِ دل سے بقدرِ استعداد متاثر ہوا۔

سکہ درسِ فنا نہایت مشکل سمجھا جاتا ہے لیکن اسے ہمتِ دشوار پسند یہ تو بڑی مشکل ہوئی کہ نوآموزی ہی کی حالت میں اس کی آسانی تجھ پہ کھل گئی اور اب تیرے طے کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ دشوار مرحلہ درکار رہا۔
مطلب یہ ہے کہ میری ہمتِ دشوار پسند کے لیے فنا سے بالاتر کوئی مرتبہ چاہیے کیونکہ فنا اسے ایک آسان مرحلہ ثابت ہوا ۱۲

دھمکی مین مر گیا جو نہ باب نبرد تھا [1]
عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

تھا زندگی مین مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیف نسخہ ہاے وفا کر رہا تھا مین [2]
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحل دریاے خون ہے اب [3]
اس رہگذر مین جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی [4]
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے
زندان مین بھی خیال بیابان نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدؔ خستہ جان کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

[1] باب نبرد یعنی لایق نبرد — مرد میدان عشق

[2] یعنی ابتدا ہی سے مین بندۂ عشق و وفا ہون جب کہ خیالات مین پختگی اور جمعیت بھی نہین آئی تھی

[3] اس رہگذر مین (یعنی دل سے جگر تک) کسی زمانے مین شادابی کا یہ عالم تھا کہ جلوۂ گل اسکے آگے گرد تھا یا اب یہ کیفیت ہے کہ وہی رہگذر دریاے خون کا ساحل بنا ہوا ہے -۱۲

[4] یعنی دل کے جانے کے بعد بھی اندوہ عشق کی کشمکش نہ گئی کیونکہ اس حالت مین دل کے جانے کا افسوس رہا بقول میر تقی ؎

غم رہا جب تک کہ دم مین دم رہا
دم کے جانے کا نہایت غم رہا

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا [1]
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا [2]
یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا

مین نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹون
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گذرگاہ خیال مے و ساغر ہی سہی [3]
گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہ ہوا

ہون ترے وعدہ نہ کرنے مین بھی راضی کہ کبھی [4]
گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائین سو وہ بھی نہ ہوا

[5] مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دم عیسی نہ ہوا

۱ه لفظ وفا کا مفہوم حقیقی مفقود ہو گیا ہے مثلاً آج کل نئے ریفارمرون کی تقریرون مین الفاظ ”قوم“ ”قومی“ کا مفہوم - پس جب معنے معدوم ہین تو صرف نقش لفظ وفا سے کیونکر تسلی ہو سکتی ہے -

۲ه کہتے ہین کہ عکس زمرد سے سانپ اندھا ہو کر مغلوب ہو جاتا ہے - لیکن یہان اُلٹا معاملہ ہے کہ زمرد (سبزۂ خط) افعی (کاکل) کا حریف نہین ہو سکتا -

۳ه سرمنزل - یعنی منزل - مطلب یہ ہے کہ اگر تقوی ممکن نہین ہے تو رندی ہی سہی - ۱۲

۴ه مین اس مین بھی راضی ہون کہ تو نے وعدہ نہ کیا کیونکہ اگر تو وعدۂ لطف کرتا تو میرے کان ان الفاظ تسلی کے احسانمند ہوتے حالانکہ مجھ کو یہ پسند نہین ہے - اسی قسم کے مضمون کا ایک دوسرا شعر بھی ہے -
ع درد منت کش دوا نہ ہوا ٭ مین نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا ٭ -

۵ه دم عیسوی کا اعجاز مشہور ہے کہ اس سے مردے زندہ اور بیمار شفایاب ہو جاتے تھے لیکن شاعر کہتا ہے کہ میرے معاملے مین ابھی حضرت عیسی کے منہ سے کوئی لفظ بھی نہ نکلا تھا اور لبون کو جنبش ہی ہوئی تھی کہ مین اس جنبش لب کے صدمے سے مرگیا اور مجھ کو دم عیسی سے سابقہ نہ پڑا - ۱۲

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضوان کا	۱ه	وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودون کے طاق نسیان کا
بیان کیا کیجیے بیداد کاوشہاے مژگان کا	۲ه	کہ ہر اک قطرۂ خون دانہ ہے تسبیح مرجان کا
نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالون کو	۳ه	لیا دانتون مین جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا
دکھاؤن گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے		مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے		کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا
مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی	۴ه	ہیولی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا
اُگا ہے گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر		مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے دربان کا
خموشی مین نہان سرگشتہ لاکھون آرزوئین ہین		چراغ مردہ ہون مین بے زبان گور غریبان کا
ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے	۵ه	دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا
بغل مین غیر کی آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ		سبب کیا خواب مین آکر تبسمہاے پنہان کا
نہین معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا	۶ه	قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگان کا
نظر مین ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب	۷ه	کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزاے پریشان کا

۱؎ کہتا ہے کہ ہم بیخودی کے ایسے خوش گوار عالم میں رہتے ہیں جس کے مقابلے میں ہم نے جنت کو فراموش کر دیا ہے۔

۲؎ جس طرح تسبیح کے دانوں میں سوراخ ہوتا ہے اسی طرح مژگان یار کی کاوش سے میرے ہر قطرۂ خون کی یہ کیفیت ہو گئی ہے ۔۱۲

۳؎ میں نے دانتوں میں تنکا اظہار عجز کے لیے لیا تھا لیکن وہ ریشۂ نیستان ہو گیا یعنی قاتل کا رعب و داب میرے نالوں کو روک نہ سکا "تنکے کو ریشۂ نیستاں اس لیے کہا کہ "نے" سے آوازِ نالہ پیدا ہوتی ہے ۔۱۲

۴؎ ہیولیٰ یعنی مادہ۔ خون گرم مجازاً بمعنی سعی و کوشش۔
دہقان کے خون کی گرمی جو خواہی خرمن کی سعی و مشقت سے پیدا ہوتی ہے وہی گویا اس کی خرمن کے لیے برق ہو جاتی ہے اس لیے کہ نہ وہ خرمن اکٹھا کرتا نہ اس کی بربادی کی صورت پیدا ہوتی ۔۱۲
مصرعہ ثانی مصرعہ اول کی مثال ہے۔ اس شعر میں ایک فلسفیانہ مسئلہ شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ہر شے کا وجود ہی اس کے فنا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ فقط

۵؎ خیال یار کو یوسف اور دل افسردہ کو حجرۂ زندان یوسف قرار دیا ہے ۔۱۲

۶؎ معلوم نہیں کہ تیری جفا نے کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا جس کی ندامت کے باعث سے تیری آنکھیں سرشک آلود ہیں۔ یا یہ کہ نہیں معلوم تیرے رونے نے کتنوں کو رلایا ہو گا۔

۷؎ یعنی راہ فنا ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتی ہے ۔۱۲
جادۂ راہ فنا کو دنیا کے اجزائے پریشان کا شیرازہ اس لیے کہا ہے کہ جملہ موجودات عالم فنا ہونے کے معاملے میں ایک ہی روش رکھتے ہیں کیونکہ سب کے لیے فنا ہونا یقینی ہے۔

نہ ہو گا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا ۔ ۱؎ ۔ حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا
محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے ۔ کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

۱؎ یک بیابان ماندگی یعنی کثرت ماندگی۔ ذوق۔ یعنی ذوق رہ نوردی۔ نقش قدم کو حباب اور رفتار کو موجہ قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حباب موج کے ساتھ ہی ساتھ چلتا ہے اور کبھی ماندہ نہیں ہوتا اسی طرح میرا ذوق صحرا نوردی بھی کسی طرح کم نہ ہو گا۔

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی ؂۱ عبادت برق کی کرتا ہون اور افسوس حاصل کا

؂۲ بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

؂۱ افسوس حاصل کا یعنی اپنی ہستی کا۔ برق یعنی برقِ عشق۔ مطلب یہ ہے کہ مین طاعت گزار ہون برقِ عشق کا اور طالب ہون فنا کا لیکن ساتھ ہی اس کے چونکہ الفتِ ہستی فطرتِ انسانی مین داخل ہے اس لیے جان بھی عزیز ہے۔ پس مین اس حاصل یعنی ہستی کا افسوس کرتا ہون جس سے میرے کمالِ شوقِ فنا مین کسی قدر نقص بھی نمودار ہے ۔۱۲ مختصر یہ کہ مین موت کا طلبگار رہون اور اپنی ایسی زندگی پر افسوس کرتا ہون جس پر موت کو ترجیح ہے۔

؂۲ ساقی کو دریائے شراب اور خود کو اس کے ساحل کا خمیازہ قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شراب پلانے مین ساقی کی ہمت بڑھی ہوئی ہے تو مجھ مین بھی اسی کی نسبت سے دریا نوشی کی قوت موجود ہے ۱۲

محرم نہین ہے تو ہی نواہائے راز کا ؂۱ یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے ؂۲ یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا
تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز — مین اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا
صرفہ ہے ضبطِ آہ مین میرا وگرنہ مین ؂۳ طعمہ ہون ایک ہی نفسِ جان گداز کا
ہین بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے ؂۴ ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا
کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز ؂۵ ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراج کاوشِ غمِ ہجران ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

؂۱ یان یعنی دنیا مین۔ حجاب یعنی پردہ جس کو پردۂ ساز کے ساتھ مناسبت لفظی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ راز کے نغمون سے تو خود ہی ناآشنا ہے ورنہ دنیا مین جو بظاہر حجاب نظر آتے ہین وہ بھی پردۂ ساز کی طرح بول رہے ہین اور بج رہے ہین اور اسرارِ الٰہی ظاہر کر رہے ہین" (یادگارِ غالب)
؂۲ شبِ وصل کی صبح کو محبوب کا رنگِ شکستہ "صبحِ بہارِ نظارہ ہے" یعنی اس کی دل پذیری قابلِ دید ہے اس لیے کہ گلہائے ناز کے شگفتہ ہونے یعنی اس کے سرگرمِ ناز و نیاز ہونے کا یہی خاص وقت ہے۔

۳؎ صرفہ یعنی فائدہ۔ ضبط آہ میں میرا فائدہ ہے کیونکہ بحالت دیگر ایک ہی نفس جان گداز مجھے فنا کر دیتا ۔۱۲

۴؎ شیشہ بازی رقاصی کا ایک فن ہے جس میں رقاص پانی اور گلاب کی صراحیاں اور شیشے سر پر لے کر رقص کرتے ہیں لیکن شیشے گرنے نہیں پاتے۔ یہاں شیشوں کے اچھلنے کے سبب سے بزم عیش کے گوشۂ روش کو شیشہ باز کا سر کہا ہے ۔۱۲

۵؎ یعنی ناخن نے میرے گرفتہ دل کو جیسا چاہیے تھا ویسا نہیں چھیڑا تھا اور گویا اس پر دل کا قرض باقی رہ گیا تھا۔ پس اب دل ناخن غم سے اسی قرض کاوش کا تقاضا کر رہا ہے ۔۱۲

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	۱؎	رکھیو یارب یہ در گنجینۂ گوہر کھلا
شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا	۲؎	اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا
گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب	۳؎	آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا
گو نہ سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید		پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال	۴؎	خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں		زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا
در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا		جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول	۵؎	آج ادھر ہی کو رہے گا دیدۂ اختر کھلا
کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال	۶؎	نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

۱؎ بہادر شاہ ظفر کے مذاق سخن اور مجمع شعرا کے لحاظ سے بزم شاہنشاہ کو گنجینۂ گوہر کہا ۔۱۲

۲؎ بت کدے میں چراغ روشن ہوتے ہیں۔ ستاروں کو چراغ سے مشابہت دی ہے یا یہ کہ ستارے خود بتوں سے مشابہ ہیں ۔۱۲

۳؎ یعنی ظاہر میں تو دوست کے ہاتھ میں فصد کے لیے نشتر موجود ہے جس سے ثابت ہو کہ اسے علاج دیوانگی منظور ہے۔ مگر آستین میں مجھے قتل کرنے کے لیے خنجر پوشیدہ ہے ۔

۵۴ کہتے ہیں کہ اعمال نیک کی بدولت قبر میں دروازۂ جنت کھل جاتا ہے۔ یہاں غالب خیالِ حسن کو حسنِ عمل سے مشابہ قرار دیتا ہے کیونکہ تصورِ حسن یار سے بھی گوشۂ لحد نمونۂ خلد بن گیا ہے ۔۱۲

۵۵ "کیوں اندھیری ہے شب غم" اس کا جواب یہ ہے کہ آج بلاؤں کا نزول ہے جن کے اترنے کا تماشا دیکھنے کی غرض سے تاروں کا رخ زمین سے آسمان کی جانب پھر گیا ہے۔

۵۶ قاعدہ ہے کہ اخبار مرگ و حوادث کے متعلق خطوط اکثر کھلے ہی ہوئے روانہ کیے جاتے ہیں۔

۵۷ گنبد بے در کھلا یعنی شب معراج میں۔ گنبد بے در یعنی آسمان ۔۱۲

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا	[1]	شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا
وان کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام	[2]	گریہ سے یان پنبۂ بالش کف سیلاب تھا
وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال		یان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تھا
جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آب جو		یان روان مژگان چشم تر سے خون ناب تھا
یان سر پر شور بیتابی سے تھا دیوار جو	[3]	وان وہ فرق ناز محو بالش کمخواب تھا
یان نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی		جلوۂ گل وان بساط صحبت احباب تھا
فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موج رنگ کا		یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
ناگہان اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا	[4]	دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا
نالۂ دل مین شب انداز اثر نایاب تھا	[5]	تھا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تھا
مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے	[6]	خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا
نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہون	[7]	پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا
کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنہ یان	[8]	ذرہ ذرہ روکش خورشید عالم تاب تھا
آج کیون پروا نہین اپنے اسیرن کی تجھے		کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا		انتظار صید مین اک دیدۂ بیخواب تھا

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اُس کے سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تھا

۱ یعنی میرے سوز دل کے خیال سے ابر کا پتا پانی ہوا جاتا تھا۔ اور اس کی تاثیر سے پانی مین

جو گرداب پڑتے تھے وہ شعلہ ہائے جوّالہ معلوم ہوتے تھے ۔۱۲

۵۲ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ وہ عذر بارش کی بنا پر یہان تک نہ آئے اور مین اس قدر رویا کہ تکیہ کی روئی آنسوؤن سے تر ہوکر ہجوم اشک مین کف سیلاب کے مانند ہوگئی۔

۵۳ دیوار جو تھا یعنی سر ٹکرانے کے لیے دیوار تلاش کرتا تھا۔اس پورے قطعے مین اپنی محرومی اور محبوب کی بے پروائی کا حال مختلف پیرایون مین مقابلہ کرکے دکھایا ہے۔

۵۴ اس رنگ سے خونناب ٹپکانے لگا یعنی اس طور پر غزل سرا ہوا۔یا اس غزل کے دوسرے حصے کی طرف اشارہ ہے ۔۱۲

۵۵ نایاب تھا یعنی نہ تھا۔

دوسرے مصرعہ مین نایابی اثر کی تشریح کرتا ہے کہ دل بیتاب تھا مگر گویا تھا گویا غیر کی بزم وصل کا سپند تھا۔یعنی اس کی بیتابی میرے فائدے کے خلاف تھی۔

۵۶ مقدم یعنی آنا۔نشاط آہنگ یعنی مسرور۔ساز صدائے آب مثلاً جلترنگ۔

مطلب یہ ہے کہ عشاق کو اپنی بربادی اس قدر مرغوب ہوتی ہے کہ اپنے مکان مین سیلاب کے آنے سے وہ اس درجہ مسرور ہین کہ گویا جلترنگ سن رہے ہین ۔۱۲

۵۷ اندیشہ یعنی خیال۔خاک نشینی کے دلاسے کی کیفیتین نہ پوچھ کہ ہم خاک نشین بستر خاک کو بستر سنجاب سمجھا کرتے تھے۔اور زمین پر ہم کو بستر سنجاب کی سی راحت ملتی تھی۔

۵۸ جنونِ نارسا۔عشق ناتمام۔ز روکش۔مقابل۔یعنی اگر عشق ناتمام نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ذرہ آفتاب کے برابر ہوجاتا۔لیکن نارسائی جنون نے اکتساب فیض سے محروم رکھا اور ایسا نہ ہونے پایا۔

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب	۱	خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا
اب مین ہون اور ماتمِ یک شہرِ آرزو	۲	توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا
گلیون مین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین		جان دادۂ ہوائے سرِ رہگذار تھا
موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال		ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب		دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

۱ یعنی آنکھون سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر مین جتنا خون تھا وہ مژگانِ یار کی

امانت تھا اور اس لیے اس کے ایک ایک قطرے کا حساب اسی طرح دینا پڑیگا جس طرح امانت کا حساب دینا پڑتا ہے (یادگار غالب) ۔۱۲

۲؎ آئینے سے یہان آئینۂ دل اور یک شہر آرزو سے ہجوم تمنا مراد ہے ۔۱۲ یعنی تو نے دل شکنی کر کے ہزارون آرزوون کا خون کر ڈالا ۔

۳؎ دشت وفا کی سراب کا ذرہ ذرہ تیغ آب دار کے جوہر سے مشابہ ہے یعنی اہل وفا کے قتل کا سامان رکھتا ہے ۔۱۲ ۔فریب وفا کے لحاظ سے استعارہ سراب موزون ہے ۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا	۱؎	آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی		در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا
وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھکو		آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیران ہونا
جلوہ ازبسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے	۲؎	جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگان ہونا
عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ	۳؎	عید نظارہ ہے شمشیر کا عریان ہونا
لے گئے خاک مین ہم داغ تمنائے نشاط	۴؎	تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا
عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا	۵؎	لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ		ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا
۶؎	حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب جس کی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا	

۱؎ انسان ہونا یعنی حقیقی صفات و سیرت انسانی کا پیدا کرنا ۔

۲؎ یعنی حسن یار کا تقاضا ہے کہ مجھے دیکھو اس لیے آئینہ آنکھ اور جوہر پلکین بن جانا چاہتے ہین ۔

۳؎ اہل تمنا تیری تلوار کو عریان دیکھ کر شوق شہادت مین ویسے ہی خوش ہوتے ہین جیسے لوگ عید کا چاند دیکھکر ہوا کرتے ہین ۔۱۲

۴؎ بصد رنگ گلستان ہونا یعنی فرط مسرت سے باغ باغ ہونا ۔یعنی اب تم خوش ہو کہ ہم دنیا سے ناکام و نامراد گذر گئے ۔۱۲ ۔یہ طعن و طنز کی گفتگو ہے ۔

۵؎ اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے ۔۱۲

۵۰ یہ شعر نہایت خوب ہے لیکن دونون مصرعون مین قسمت کی تکرار نے کسی قدر بے لطفی پیدا کر دی ہے۔ ۱۲

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا ۵۱ تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا ۵۲ جادہ اجزاے دوعالم دشت کا شیرازہ تھا

مانعِ وحشت خرامیہاے لیلےٰ کون ہے ۵۳ خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائی اندازِ استغناے حسن ۵۴ دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دیئے اوراقِ لختِ دل بباد ۵۵ یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

۵۱ شوقِ ساقی۔ ساقی کی آمد کا شوق جو بادہ کشون کے دل مین تھا۔ رستخیز اندازہ یعنی قیامت کے مانند۔ محیطِ بادہ خطِ ساغر جہان تک شراب ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوقِ ساقی کے خمار مین کچھ اس قیامت کا جوش تھا کہ میخانے کی ہر شے یہان تک کہ شراب بھی خمیازہ کش ہو رہی تھی۔ اور اس طرح پر ایک صورت خانۂ خمیازہ کی کیفیت پیش نظر ہو گئی تھی۔ غرض کہ مضمون یہ ہے کہ ساقی کی آمد کی ہر شے مشتاق و منتظر تھی۔

۵۲ یک قدم وحشت یعنی اندک وحشت۔ دوعالم دشت سے کثرت مراد ہے۔ جادہ یعنی جادۂ وحشت کو اجزاے دوعالم دشت کا شیرازہ اس بنا پہ کہا کہ یک قدم وحشت سے یعنی ذرا ہی سی وحشت سے تمام دفترِ امکان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔

مطلب یہ ہے کہ دفترِ امکان کا درس بہ صحبتِ عقل و ہوش بربنائے خوف و کم ہمتی مشکل تھا وحشت نے اُسے آسان کر دیا کیونکہ بیا کی وحشت و دیوانگی نے اُس پست ہمتی کو مٹا دیا۔

۵۳ مجنونِ صحرا گرد کے گھر (یعنی صحرا) مین دروازہ بھی نہ تھا جو بند ہوتا اور لیلی اندر نہ جا سکتی پھر معلوم نہین کیا سبب مانع ہے کہ وہ کبھی بہ تقاضاے وحشت وہان تک نہین پہنچ جاتی۔

۵۴ استغناے حسن کی شان یہ تھی کہ اُسے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ ہوتی۔ پس یہ حنا اور غازے کا استعمال اندازِ استغنا کی رسوائی کا موجب ہے۔ ۱۲

۵۵ دل گویا ایک دیوان تھا اور لختہاے دل اُس دیوان کے ورق تھے نالۂ دل نے اُن اوراق کو پریشان کر دیا اور دل نے ایک دیوانِ بے شیرازہ کی شکل اختیار کر لی۔ ۱۲

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا ‎— زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک ‎— ہم کہین گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا؟

حضرت ناصح گر آئین دیدہ و دل فرش راہ ‎— کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائین گے کیا

آج وان تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہون مین ‎— عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائین گے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یون سہی ‎— یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائین گے کیا

خانہ زاد زلف ہین زنجیر سے بھاگین گے کیون ‎— ہین گرفتار وفا زندان سے گھبرائین گے کیا

ہے اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسدؔ ‎— ہم نے یہ مانا کہ دلّی مین رہین کھائین گے کیا

سلہ غم الفت جو میری غذا ہے وہ یہان مفقود ہے۔ یعنی کوئی معشوق اب یہان دل لگانے کے قابل نہین رہا۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا ‎— اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا ‎— کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا ‎— کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو ‎— یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح ‎— کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا ‎— جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جان گسل ہے پہ بچین کہان کہ دل ہے ‎— غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

ہوے مر کے ہم جو رسوا ہوے کیون نہ غرق دریا ‎— نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا ‎— جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہین دوچار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب ‎— تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

سلہ جھوٹ جانا یعنی تیرے وعدے کو۔ ۱۲ اگر جھوٹ نہ جانتے تو شادی مرگ کی صورت پیدا ہوتی۔

۵۲ تیر نیم کش یعنی وہ تیر جس کے لیے کمان پوری نہ کھینچی گئی ہو یعنی آہستہ سے لگایا گیا ہو ۱۲

۵۳ شرار سنگ میں پنہان ہوتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اگر شرار سنگ شرار غم کے مانند ہوتا تو رگ سنگ سے بھی ایسا لہو ٹپکتا کہ پتھر نہ بند ہوتا۔ یعنی پتھر پر بھی غم کا اس قدر اثر ہوتا ۱۲

۵۴ دل کبھی غم سے خالی نہیں رہ سکتا اس لیے غم عشق ہی غنیمت ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو دیگر افکار دنیا کا رنج لاحق ہوتا ۱۲

مصرع اول		مصرع ثانی
ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا	سلہ	نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا		کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازشہاے بیجا دیکھتا ہوں	۵۵	شکایتہاے رنگین کا گلا کیا
نگاہ بے محابا چاہتا ہوں	۵۶	تغافلہاے تمکین آزما کیا
فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے	۵۷	ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
نفس موج محیط بیخودی ہے	۵۸	تغافلہاے ساقی کا گلا کیا
دماغ عطر پیراہن نہیں ہے	۵۹	غم آوارگیہاے صبا کیا
دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر	۶۰	ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ	۶۱	شہیدان نگہ کا خون بہا کیا
سن اے غارتگر جنس وفا سن	۶۲	شکست قیمت دل کی صدا کیا
کیا کس نے جگرداری کا دعوے	۷	شکیب خاطر عاشق بھلا کیا
یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں	۶۴	یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

بلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

سلہ نشاط کے معنی امنگ کے ہیں۔ نشاط کار یعنی کام کرنے کی امنگ۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ چہل پہل ہے وہ صرف اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایک طبعی خصلت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے اسی قدر زیادہ سرگرمی سے کام کو سرانجام کرتا ہے (یادگار غالب)

نوازشہائے بیجا - یعنی اغیار پر شکایتہائے رنگین - نوازشہائے بیجا کی شکایتیں جو بہ پیرایہ محبت ادا کی جاتی ہین نہ بطریق رنج و شکوہ - ۱۲

تغافل تمکین آزما - ایسا تغافل جس سے ارباب شوق کے صبر و استقلال کی آزمایش کی جائے بے محابا یعنی بے تامل و بے تکلف ۱۲

ہوس ضد عشق صادق - ہوس کو عشق کاذب اور ناپائدار ہونے کی بنا پر شعلۂ خس سے تشبیہ دی ہے جس کی روشنی دم بھر سے زیادہ قائم نہین رہ سکتی - ۱۲

ساقی عطائے شراب کے معاملے مین تغافل کرتا ہے تو ہم کو کیا شکایت ہو سکتی ہے - ہم تو نہین یعنی صرف اُس کی صورت دیکھکر اس درجہ بیخود ہین کہ ہماری ہر سانس گویا محیط بیخودی کی ایک موج ہے -

اگر آوارگی صبا کے سبب سے پیراہن یار کے عطر کی خوشبو پریشان ہو جاتی ہے تو ہمین اسکا کیا غم یعنی غم تو اس وقت ہوتا جب ہم کو اس کے سونگھنے کا دماغ بھی ہوتا - ۱۲

ہر قطرے کے دل سے انا البحر کا نغمہ نکل رہا ہے" دوسرے مصرعے مین اس بیان کو اپنی ذات پر منطبق کیا ہے - اور اپنے کو ایک قطرہ قرار دے کر کہتا ہے کہ ہم بھی انا البحر (انا الحق) کے مقام مین ہین کیونکہ ہم اسی بحر بیکران (ہستی احد و واحد) کے ایک جزو ہین - ۱۲

عشاق کو شہید نگاہ کرنے مین تجھے کیا تامل ہے - اس کا مین ضامن ہون کہ تجھ سے کوئی خون بہا کا طلبگار نہ ہوگا - "ادھر دیکھ" خوب کہا ہے -

شکست قیمت یعنی قیمت کا گھٹانا اس سے ظاہر ہے کہ شکست قیمت کی کوئی صدا نہین ہوتی یس اے جنس وفا کے غارتگر اس کو نہ توڑ کیونکہ اس کی شکست سے سامعہ نوازی بھی تو نہین ہوتی - ۱۲

"یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیون" یعنی اے قاتل یہ وعدۂ صبر آزما کیون ہے - اس مین نکتہ یہ ہے کہ "قاتل" کو وعدۂ صبر آزما کی صفت بھی قرار دے سکتے ہین - ۱۲

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا	سله	پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی مین بھی وہ آزادہ و خود بین ہین کہ ہم		اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا		سامنے کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

مصرع اول		مصرع ثانی
کم نہین نازش ہمنامیٔ چشم خوبان	۲	تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا	۳	خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا ہے مرے وہ دکھ جو کسی کو نہ ملا		کام کا ہے مرے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
ہر بن مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خونناب		حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
قطرے مین دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو مین کل	۴	کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑین گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

۱؎ آئینے مین چونکہ شبیہ نظر آتی ہے اس لیے آئینہ سیما کی صفت یت کے ساتھ اس موقع کے مناسب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے حسن مین تجھ سے مقابلہ نہ کیا۔

۲؎ چشم خوبان کی بھی صفت "بیمار" ہے۔ پس بیمار ہونے مین فخر ہمنامی کا حاصل ہونا ظاہر ہے۔

۳؎ سینے کا داغ ہے یعنی تنگ سینہ ہے۔ خاک کا رزق ہے یعنی رائگان ہے۔ اور حقیقت مین ہوتا بھی یہی ہے کہ جو قطرہ دریا تک نہین پہونچتا وہ جذب خاک ہو کر رائگان ہو جاتا ہے اور جو نالہ لب تک نہین پہونچتا اُس کے ضبط کرنے سے سینے مین داغ پڑ جاتا ہے۔

۴؎ دیدۂ بینا کچھ لڑکون کا کھیل نہین ہے کہ اُسے قطرے مین دریا اور جزو مین کل نہ دکھائی دے یعنی دیدۂ بینا کو ضرور جزو مین کل دکھائی دے گا۔ ۱۲

مصرع اول		مصرع ثانی
اسدؔ ہم وہ جنون جولان گدائے بے سر و پا ہین	۱	کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا

۱؎ جنون جولان یعنی جولان جنون رکھنے والا۔ پنجہ مژگان آہو کو پشت خار قرار دیکر اپنی نسبت وحشت کا اظہار کیا ہے اور بس۔ ۱۲

مصرع اول		مصرع ثانی
پئے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا	۱	بخون غلطیدۂ صد رنگ دعوے پارسائی کا
نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بے وفائی کا	۲	بمہر صد نظر ثابت ہے دعوے پارسائی کا
زکوٰۃ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا	۳	چراغ خانۂ درویش کاسہ ہو گدائی کا
نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر	۴	رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا
تمنائے زبان محو سپاس بے زبانی ہے	۵	مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفسؔ واں نکہتِ گل ہے	۶	چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگین نوائی کا
دہانِ ہر بُتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی		عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

۷ — نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستمہائے جدائی کا

۱ بخشش الٰہی کی نذر کے واسطے ہمارے پاس صرف شرم نارسائی کا تحفہ ہے۔ دوسرے مصرع میں تحفے کی تشریح کر دی ہے یعنی ہمارے پاس اس دعوائے پارسائی کا تحفہ ہے جو سو رنگ سے خون میں غلطیدہ ہے یعنی جس کا خون ہو چکا ہے۔۱۲

۲ حسن تماشا دوست۔ وہ حسن جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اسے دیکھیں۔ رسوا بیوفائی کا۔ فارسی ترکیب "رسوائے بے وفائی" کا ترجمہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یار کو میرے علاوہ دوسروں کو بھی اپنا نظارگی حسن بنانا پسند ہے تو اس سے اُس پر بے وفائی اور شکست عہد پارسائی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن دیکھنے والوں کی نظریں تو گویا مُہریں ہیں جن سے اس کی پارسائی کا دعوے ثابت ہے۔۱۲ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مضمون بطریق طنز ہو

۳ "کہ" یعنی "تاکہ" یا "جس کے سبب سے" استعاروں کو دور کرنے سے اس بلیغ شعر کا مطلب نکلتا ہے کہ اپنے جلوۂ دیدار سے چشمِ مشتاق کو روشن کر۔۱۲

۴ یعنی حق آشنائی یہ تھا کہ تو مجھ کو مار ڈالتا۔۱۲

۵ زبان کی تمنا متقاضی تھی کہ بیدست و پائی کی شکایت کی جائے لیکن چونکہ مجھکو بیزبان دیکھکر اُن کو خود بخود رحم آگیا۔ اس لیے تمنائے زبان بے زبانی کی ستایش کر رہی ہے کیونکہ بے زبانی ہی کے سبب سے شکوۂ بے دست و پائی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ان کو عرض حال و شکایت کے بغیر ہی رحم آگیا۔

۶ بت خود بے وفا ہوتے ہیں جب وہ بھی تجھے بے وفائی کا طعنہ دیتے ہیں تو خیال کرنا چاہیے کہ تیری بے وفائی کا درجہ کس قدر بڑھا ہوا ہے۔

زنجیر رسوائی کی ترکیب نہایت دور از کار ہے۔ غالباً مطلب اس سے یہ ہوگا کہ بتان بیوفا کے حلقہائے دہن مل کر زنجیر رسوائی بن گئے ہیں یا یہ کہ حدیث بیوفائی یار ایک بُت سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہونچی ہے اور اس طور پر ایک زنجیر رسوائی کی شکل نمودار ہو گئی ہے۔

سه یعنی تمہارے جدائی کے بیان کرنے کی حسرت رکھتا ہون۔ اس مین اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ ان کی کثرت کی وجہ سے بیان سے قاصر ہون ۔۱۲

گر نہ اندوہ شب فرقت بیان ہو جائے گا	۱ه	بے تکلف داغ مہ مہر دہان ہو جائے گا
زہرہ گر ایسا ہی شام ہجر مین ہوتا ہے آب	۲ه	پرتو مہتاب سیل خانمان ہو جائے گا
لے تو لون سوتے مین اسکے پانو کا بوسہ مگر	۳ه	ایسی باتون سے وہ کافر بدگمان ہو جائیگا
دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا		یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائے گا
سب کے دل مین ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا		مجھ پہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائے گا
گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط	۴ه	شعلہ خس مین جیسے خون رگ مین نہان ہو جائیگا
باغ مین مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر		ہر گل تر ایک چشم خون فشان ہو جائیگا
وائے گر میرا ترا انصاف محشر مین نہو		اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وان ہو جائیگا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستی نادان کی ہے جی کا زیان ہو جائیگا

۱ه مہر دہان۔ مہر خاموشی۔ داغ ماہ کو باعتبار سیاہی و شباہت مہر سے تعبیر کیا۔
مطلب یہ ہے کہ اگر شب فرقت کا اندوہ مین ادا نہ کر سکون تو یہ سمجھنا چاہیے کہ چاند کا داغ میرے لیے گویا مہر خاموشی بن گیا تھا ۔۱۲

۲ه چاندنی کا زہرہ آب ہو کر سیل کی صورت پیدا ہو جائیگی مطلب یہ ہے کہ ہجر یار مین چاندنی موجب آزار و بربادی ہو جائے گی ۔۱۲

۳ه ایک مطلب اس شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر محبوب خواب مین آئے اور مین اس کے پانون کا بوسہ لے لون تو وہ بدگمان ہو کر خواب مین بھی آنا چھوڑ دے گا ۔۱۲

۴ه نگاہ گرم یعنی نظر عتاب جس کے خوف سے خون رگ مین اس طرح نہان ہو جائے گا جیسے شعلہ خس مین ہوتا ہے ۔۱۲

درد منت کش دوا نہ ہوا	۵ه	مین نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو		اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں	تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب	گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
ہے خبر گرم ان کے آنے کی	آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی [2]	بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی	حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما [3]	کام گر رک گیا روا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے	لے کے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

[1] میں نا اچھا ہوا تو کچھ برا نہ ہوا کیونکہ اگر اچھا ہو جاتا تو مجھے دوا کا احسان اٹھانا پڑتا حالانکہ دوا کا احسان لینا مجھے منظور نہیں۔

[2] بندگی یعنی عبودیت۔ بندگی پر نمرود کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے۔ کہتا ہے کہ میری بندگی کیا نمرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ (یادگار غالب)

[3] کام جب رک جاتا ہے تو روا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہیے تھا کہ لہو بھی رواں نہ ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں اور زخم کے دب جانے پر بھی لہو جاری ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا	[1]	گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب	[2]	مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی	[3]	دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا
غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو	[4]	مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا
ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں	[5]	کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا
دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے	[6]	ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے	[7]	مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

[8] فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد اسد
جفا میں اس کی ہے انداز کارفرما کا

لہ دل میں بھی یعنی اگرچہ وسعت دل مشہور ہے۔ گھر کو دل سے اور شوق کو اضطراب دریا سے مشابہ کیا ہے ۔۱۲ مطلب یہ ہے کہ دل میں اضطراب شوق کو فراخور حوصلہ جگہ نہ ملنے سے اُس کا جوش باقی نہیں رہا گویا دریا گھر میں سما گیا۔

لہ پاسخ مکتوب یعنی جواب خط۔ مطلب یہ ہے کہ شوق کی خامہ فرسائی سے مجبور ہوں ورنہ یہ تو معلوم ہے کہ تو جواب خط نہ دے گا ۔۱۲

لہ بہار کو بوجہ رنگینی "حنائے پائے خزان" کہا۔ کہتا ہے کہ دنیا کا عیش آخر کار ہمیشہ کلفت خاطر کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً بہار ہی کو لے لیجیے کہ وہ گویا پائے خزان کی حنا ہوتی ہے جس کی رنگینی چند روز میں زائل ہو جاتی ہے اور پھر خزان ہی کا دور دورہ رہتا ہے ۔۱۲

لہ خندۂ گل کو خندۂ بے جا اس لیے کہا کہ وہ کچھ سمجھ کر یا ازراہ تعجب نہیں ہنستا ہے پس گویا اس کا خندہ بے محل ہے۔ (یادگار غالب)

لہ مصرع ثانی کے شروع میں "باوجودیکہ" یا "اگرچہ" بڑھا کر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے ۔۱۲

لہ "تقاضا کا" اب بالکل متروک ہے "تقاضے کا" چاہیے غالباً قافیے کی ضرورت نے مرزا کو مجبور کیا ہوگا ۔۱۲

لہ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شدت گریہ کی وجہ سے میری آنکھوں سے دریا رواں ہے لیکن پھر بھی وہ میری حسرت دل کے حوصلے کے موافق نہیں ہے ۔۱۲ یعنی میری حسرت دل بہت بڑھی ہوئی ہے کثرت اشک سے اُس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

لہ یعنی فلک کو دیکھ کر وہ یاد آتا ہے کیونکہ جو کچھ ستم فلک کرتا ہے اُسی کے حکم سے کرتا ہے۔

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا	لہ	خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

لہ جب ساغر مے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے مے بفرط حیرت منجمد ہو کر گویا گوہر بن گئے اور خط جام رشتۂ گوہر کے مانند ہو گیا ۔۱۲

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا اہل بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخی ناز	لہ	تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا ۲؎ عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

نہ بندھے تشنگی شوق کے مضموں غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

۱؎ عکس روئے یار کی وجہ سے آئینہ گویا ایک حیرت کدہ بن گیا ہے اور یار کی شوخی ناز کے اثر سے جوہر آئینہ اس حیرت کدۂ آئینہ میں طوطی بسمل کے مانند پھڑک رہا ہے ۱۲ جوہر آئینہ کو اس کی بیتابی ظاہر کے اعتبار سے طوطی بسمل سے مشابہ کیا ہے اس میں ایک نازک اشارہ اس امر کی جانب بھی ہے کہ ناز یار کی شوخی ارباب شوق کی حیرت کو اضطراب سے بدل دیا کرتی ہے ۔

۲؎ دل سائل کو ایک طلسم اور جنگ گاہ یاس و امید قرار دیا ہے ۔ اس طلسم کی بانی پست ہمتی ہے کیونکہ یہی اکثر محرک سوال ہوا کرتی ہے اور اس میدان عربدہ میں امید قبول اور یاس رد سوال کے درمیان باہم جنگ ہوا کرتی ہے ۔

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں ۱؎ گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

۱؎ یعنی اس نے زبردستی کیوں نہ پلا دی (یادگار غالب)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا ۱؎ بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگی دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے کاش رضواں ہی در یار کا درباں ہوتا

۱؎ ہمارا گھر جو کثرت گریہ سے دریا ہو رہا ہے اگر نہ روتے تو بیاباں ہوتا یعنی ویرانی بہرحال باقی رہتی

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۱؎ ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

[1] جب دنیا مین کچھ نہ تھا تو خدا ہی خدا تھا اور اگر موجودات عالم کا ظہور نہ ہوتا تب بھی خدا ہی خدا ہوتا- پس غالب کہتا ہے کہ میری ہستی ظاہر نے مجھ کو ایک شئے دیگر قرار دے کر برباد کر دیا کیونکہ اگر مین پیدا نہ ہوتا تو خیال کرنا چاہیے کہ کیا ہوتا ظاہر ہے کہ خدا ہوتا (یعنی ذات الٰہی کا ایک جز و رہتا) کیونکہ یہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہی خدا ہوتا-

یک ذرۂ زمین نہین بے کار باغ کا	[1]	یان جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا
بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی	[2]	کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا
بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل		کہتے ہین جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
تازہ نہین ہے نشۂ فکر سخن مجھے	[3]	تریاکئی قدیم ہون دود چراغ کا
سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوے		پر کیا کرین کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
بے خون دل ہے چشم مین موج نگہ غبار	[4]	یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا
باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل	[5]	ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

[1] موسم بہار کا ذکر کرتا ہے کہ آج کل باغ کا ایک ذرہ زمین بھی بے کار نہین ہے - مثلاً باغ کی روشون پہ آمد و رفت مردم کی وجہ سے کچھ نہین اُگتا لیکن اس زمانے مین جوش گل کی یہ کیفیت ہے کہ روشین بھی گلہاے سرخ کی کثرت کی وجہ سے گویا لالے کے داغ کا فتیلہ بنی ہوئی ہین - واللہ اعلم-
فتیلہ یا فلیتہ - یعنی بتی جو بہت جلد آگ قبول کر لے (غیاث) یہان جادۂ چمن کو فتیلہ کہا گویا اس سے لالے کے داغ روشن ہوتے ہین-

[2] آشوب یعنی شور و غوغا - آگاہی کو آشوب قرار دیا جس کی برداشت کے لیے مے گساری لازم ٹھیری اور ظاہر ہے کہ اس غرض کے لیے ایک ساغر سے کیا کام چل سکتا ہے خصوصاً ایسی حالت مین کہ ساغر بھی لبریز نہ ہو بلکہ صرف ایک حد مقررہ (خط ساغر) تک شراب سے پر ہو-۱۲
آگاہی کے لیے ہجوم افکار و خیالات لازمی ہے - اسی بنا پر اُسے آشوب کہا-

[3] دود چراغ کو تریاک اور اس تریاک کے نشے کو نشۂ فکر شعر قرار دیا-
مطلب یہ ہے کہ مین نے مدتون چراغ کے سامنے بیٹھکر رات رات بھر فکر سخن کی ہے -۱۲

۴ آنکھ کو میکدے سے اور خون دل کو شراب سے تشابہ کیا ہے جس طرح سے کہ میکدہ بغیر شراب کے ویران ہوتا ہے اسی طرح میری آنکھون مین خون فشانی کے بغیر گویا خاک اُڑ رہی ہے۔ موج نگاہ کی تشبیہ غبار سے بہت مناسب ہے۔ اور میکدے کے لیے خراب کا لفظ بھی کیفیت سے خالی نہین۔۱۲

۵ ابر بہار میری مستی کا باعث نہین ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے سرور دل کا موجب تیرے حسن کا شگفتہ باغ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی شے میری مستی کا باعث نہین ہو سکتی۔

وہ مری چین جبین سے غم پنہان سمجھا ۱ راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا
یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز ۲ چاک کرتا ہون مین جب سے کہ گریبان سمجھا
شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ اس قدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا
بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام ۳ رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیران سمجھا
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا ۴ نبض خس سے تپش شعلۂ سوزان سمجھا
سفر عشق مین کی ضعف نے راحت طلبی ۵ ہر قدم سائے کو مین اپنے شبستان سمجھا
تھا گریزان مژۂ یار سے دل تا دم مرگ ۶ دفع پیکان قضا اس قدر آسان سمجھا

دل دیا جان کے کیون اس کو وفادار اسد
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

۱ جس طرح عنوان کی بے ربطی سے مضمون خط کی آشفتگی کا حال کھل جاتا ہے اسی طرح سے میری چین جبین سے میرے غم پنہان کا حال یار پر ظاہر ہو گیا۔۱۲ چین جبین کی تشبیہ عنوان سے بہت مناسب ہے۔

۲ یعنی جب سے مین نے گریبان کی حقیقت سمجھی ہے اسے چاک کر رہا ہون لیکن ہنوز صیقل آئینہ ایک الف سے زیادہ نہین ہے۔ استعارون کو حذف کرنے کے بعد یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ترک تعلقات صفائی باطن خاطر خواہ حاصل نہین ہوئی۔ واللہ اعلم

۳ بدگمانی شوق نے یار کا مصروف خرام ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ خرام سے قطرہائے عرق جبین یار پہ نمودار ہو جاتے جو دیدہائے حیران سے مشابہت رکھتے پس رشک کو اُن کا وجود بھی گوارا نہ ہوا۔۱۲

۵۴ اپنی عاجزی کو خس سے اور اُس کی بدخوئی کو شعلۂ سوزان سے مشابہ کیا ہے - ۱۲

۵۵ جب سفر کے تکان کا غلبہ ہوتا ہے تو مسافر دم لینے کے لیے سایہ تلاش کرتا ہے - یہان جب سفرِ عشق مین ضعف راحت طلب ہوا تو شاعر کہتا ہے کہ مین سائے کو آرام گاہ سمجھا - ۱۲

اس بیان سے اپنی کمال مجبوری کو ظاہر کرتا ہے یعنی عشق کا سخت سفر اس مین ضعف کا غلبہ اور آرام کے لیے سائے کی تلاش - وہان سائے کا ناپید ہونا اور مجبوراً خود اپنے سائے کو شبستان سمجھنا استعارون کو دور کرنے سے اس شعر کے مضمون سے یہ اشارہ پیدا ہوتا ہے کہ غایت محرومی کی حالت مین انسان یاس و ناامیدی کو اپنا ہمدم بنا کر انھین سے تسکین طلب ہوتا ہے -

۵۶ گویا مژگان یار کو پیکان قضا قرار دیا جس سے گریز کرنا بے سود تھا - ۱۲

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا	۵۱	دل جگر تشنۂ فریاد آیا	
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز	۵۲	پھر ترا وقت سفر یاد آیا	
سادگی ہائے تمنا یعنی	۵۳	پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا	
عذر واماندگی اے حسرت دل	۵۴	نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا	
زندگی یون بھی گذر ہی جاتی	۵۵	کیون ترا راہ گذر یاد آیا	
کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی	۵۶	گھر ترا خلد مین گر یاد آیا	
آہ وہ جرأت فریاد کہان	۵۷	دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا	
پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال		دل گم گشتہ مگر یاد آیا	
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے	۵۸	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا	

۵۹	مین نے مجنون پہ لڑکپن مین اسد سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۵۱ جگر تشنہ بمعنی تشنہ جگر یعنی آرزومند - مطلب یہ ہے کہ دیدۂ تر کی یاد نے پھر دل کو فریاد کا آرزومند بنا دیا - ۱۲

۵۲ پھر ترا وقت سفر یاد آیا - یعنی پھر قیامت برپا ہوئی -

دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گذری تھی اور جو اس کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یاد آتی ہے اس مین جو کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہے اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے - (یادگار غالب)

اپنی تمنا کی سادگی کا ذکر کرتا ہے کہ تمنا کو نظر یار کی نیرنگیون کا علم ہے لیکن پھر بھی وہ اسی نیرنگ نظر کو یاد کرتی ہے۔۱۲

حسرت دل کا تقاضا تھا کہ نالہ کیا جاے لیکن غالب واماندگی کا عذر پیش کر کے کہتا ہے کہ مین آمادۂ فریاد تھا لیکن اپنی کمزوری جگر کو یاد کر کے رہ گیا کیونکہ اس مین طاقت نالہ باقی نہین ۔۱۲

جب کامگاری ممکن ہی نہین ہے تو تیرا رہگذر بیکار یاد آتا ہے یعنی جب وہان بھی زندگی بحالت ناکامی بسر ہوگی تو اس کا یاد آنا عبث ہے۔یون بھی زندگی کسی نہ کسی طور پر گذر ہی جاتی ۔۱۲

یعنی اس بحث مین کہ مکان یار اور خلد مین سے کون بہتر ہے۔۱۲

دل مین جرات فریاد نہ رہی تھی اس بنا پر اس سے تنگ آکر جگر یاد آیا کہ اُس مین فریاد کی طاقت دل سے زیادہ تھی لیکن افسوس کہ اب جگر مین بھی یارائے فریاد نہین ۔۱۲

یعنی دشت ویرانی مین گھر سے مشابہ ہے ۔۱۲

سر یاد آیا یعنی اپنا سر کہ کبھی ہم بھی بربنائے شوریدہ سری اسی طرح نشانۂ سنگ طفلان ہون گے یا یہ کہ مجنون کے بجاے اپنے ہی سر مین پتھر مار لیا۔۱۲

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا		آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا
تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ		اس مین کچھ شائبۂ خوبی تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دون		کبھی فتراک مین تیرے کوئی نخچیر بھی تھا
قید مین ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد		ہان کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا
بجلی اک کوند گئی آنکھون کے آگے تو کیا	[illegible]	بات کرتے کہ مین لب تشنۂ تقریر بھی تھا
یوسف اس کو کہون اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی		گر بگڑ بیٹھے تو مین لایق تعزیر بھی تھا
دیکھکر غیر کو ہو کیون نہ کلیجہ ٹھنڈا	[illegible]	نالہ کرتا تھا وے طالب تاثیر بھی تھا
پیشے مین عیب نہین رکھیے نہ فرہاد کو نام		ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا
ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی	[illegible]	آخر اس شوخ کے ترکش مین کوئی تیر بھی تھا
پکڑے جاتے ہین فرشتون کے لکھے پر ناحق	[illegible]	آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمھین استاد نہین ہو غالب
کہتے ہین اگلے زمانے مین کوئی میر بھی تھا

ؔلہ یعنی ان کو لازم تھا کہ تقریر بھی کرتے کیونکہ میں مشتاق تقریر تھا۔ یہ کیا کہ دفعۃً آئے اور چلے گئے۔ گویا ایک بجلی سی کوندگئی ۱۲

ؔلہ "دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا" کیونکہ اس کی فریاد بھی بے اثر ہے ۱۲

ؔلہ یعنی اک تیر ہی لگا دیا ہوتا۔ اس میں تو پاس آنے کی بھی ضرورت نہ تھی ۱۲

ؔلہ فرشتوں کے لکھے پہ یعنی کراماً کاتبین کی تحریر پہ ۱۲

لب خشک در تشنگی مردگان کا	ؔلہ	زیارت کدہ ہوں دل آزردگان کا
ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی کا	ؔلہ	میں دل ہوں فریب وفا خوردگان کا

ؔلہ میں گویا لب خشک ہوں ان لوگوں کا جو تشنگی میں مر گئے اور میں گویا زیارت کدہ ہوں آزردہ دل لوگوں کا۔ اس بیان سے اظہار محرومی منظور ہے ۱۲

ؔلہ جو لوگ وفا کا فریب کھائے ہوئے ہوتے ہیں ان کا دل ہمہ نا امیدی و ہمہ بدگمانی ہوتا ہے یعنی سراسر یاس و نا امیدی ہوتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ میں گویا وہی دل ہوں ۱۲

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا	ؔلہ	اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے	ؔلہ	خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے	ؔلہ	آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم		میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں	ؔلہ	یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک	ؔلہ	میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

ؔلہ	جاری تھی اسدؔ داغ جگر سے مری تحصیل آتش کدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

ؔلہ ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو کسی کا دوست نہیں ہے اور تیرا جور مجھ پر نہیں ہے بلکہ اوروں پر بھی ہے اور مجھ سے زیادہ ہے۔ لیکن حقیقت میں غالب ایک نہایت نازک مطلب کو ادا کر رہا ہے کہتا ہے کہ جو ظلم مجھ پر نہیں ہوا وہ تو اوروں پر کر رہا ہے مجھے چونکہ شرکت اغیار کسی صورت سے گوارا نہیں ہے اس لیے تیرا ظلم نہ کرنا بھی گویا مجھ پر ایک ظلم عظیم ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ میرے متعلق تیرا ترک جور بنا بر دوستی نہیں ہے

ﷺ ماہ نخشب یعنی وہ چاند جسے حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقنع نے سیماب وغیرہ اشیا سے بمقام نخشب تیار کیا تھا۔ یہ چاند دو ماہ تک برابر ایک چاہ سے نکلا کرتا تھا۔ لیکن روشنی اس کی چار فرسنگ سے زیادہ نہ جا سکتی تھی اور اصلی چاند کے مقابلے میں بالکل ناقص تھا۔۱۲۔
شاعر اس شعر میں خورشید کو روے یار کے مقابلے میں ناقص قرار دیکر ماہ نخشب سے تشبیہ دیتا ہے۔۱۲

ﷺ دعوے یہ ہے کہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے اسی کے موافق اس کی تائید غیب سے ہوتی ہے اور ثبوت یہ ہے کہ قطرۂ اشک جس کو آنکھوں میں جگہ ملی ہے اگر اس کی ہمت جبکہ وہ دریا میں تھا موتی بننے پر قانع ہو جاتی ہے تو اسکو جیسا کہ ظاہر ہے یہ درجہ آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہوتا۔ (یادگار غالب)

ﷺ میری سادہ دلی دیکھیے کہ میں آزردگی یار سے خوش ہوں۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ صلح شوق کے بعد سبق عشق کی تکرار میں بڑا لطف آئیگا یعنی پھر سے محبت شروع ہوگی اور گویا آغاز محبت سے لیکر انتہاے محبت تک کی ساری کیفیتیں ایک بار پھر پیدا ہوں گی۔۱۲۔

ﷺ کہتا ہے کہ گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریاے معاصی خشک ہوگیا مگر ابھی ہمارے دامن کا پلہ تک نہیں بھیگا۔ (یادگار غالب از مولانا حالی)

ﷺ سمندر چھپکلی کی قسم کا ایک جانور جس کی نسبت مشہور ہے کہ آتش کدوں میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے آتشکدوں میں جب ایک مدت دراز تک برابر آگ جلا کرتی ہے تب اس میں سمندر پیدا ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے غالب کہتا ہے کہ میں اس وقت سے داغ جگر سے تحصیل آتش فراہمی کر رہا ہوں کہ سمندر کا وجود بھی نہ تھا۔۱۲۔ اپنا سمندر ہے اور داغ جگر کا آتشکدے سے مقابلہ کیا ہے۔

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا	ﷺ	رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا
مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا	ﷺ	کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا
حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو	ﷺ	دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا
کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان	ﷺ	جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

ﷺ ناموس یعنی عفت و عصمت۔ رشتۂ شمع وہ تاگا جو موم بتی میں ہوتا ہے۔ کسوت یعنی لباس۔ خار در پیراہن بودن محاورۂ فارسی ہے جس کے معنی بے چین ہونے کے ہیں اسی کو غالب نے اردو ن لیا ہے۔ کہتا ہے کہ شب کو کہ عصمت و عفت کی محفل خلوت میں محبوب بزم افروز تھا، اس وقت شمع

کی یہ حالت تھی کہ اس کا ہر رشتہ اس کے حق مین خار پیراہن ہو گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کی خلوت ناموس مین (جہان کسی کا گذر نہین) شمع کی بھی بے قراری سے کچھ عجیب حالت ہو گئی تھی ۔۱۲

سلہ یہ جو مشہد عاشق سے کوسون تک حنا اُگتی ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسے پابوسی کی حسرت کس قدر تھی۔ یعنی زندگی مین پابوسی یار حاصل نہ ہو سکی تو اب شاید اس طرح یہ ہو جائے کہ اس کے مشہد پر جو حنا اُگتی ہے وہ کسی دن پائے یار تک پہونچے بقولے ؎

بوسم من بے برگ و نوا برگ حنا را
تا بوسہ بہ پیغام دہم آن کف پا را

سلہ ہم نے محبت کا نتیجہ سوا اس کے اور کچھ نہ دیکھا کہ آخر کار آرزوون کا خون ہو گیا گویا کہ عاشق اور معشوق دونون کے دل مل کر لب افسوس بن جاتے ہین جس سے اظہار افسوس کے سوا اور کچھ ممکن نہین

سلہ غذا ہضم ہونے اور خون بننے سے پہلے طبخ اول مین کیلوس کی شکل اختیار کر کے آش کے مانند اور اُس کے بعد طبخ دوم مین کیموس کی صورت پا کر پانی کے مانند ہو جاتی ہے اور خون کی شکل اختیار کرتی ہے۔

غالب بیماری غم عشق کی فراغت کا ذکر کرتا ہے کہ خون دل کے کھا۔ یہ مین کیلوس و کیموس وغیرہ کے جھگڑے پیش نہین آئے اور ابتداہی سے خون جگر کھایا کیے۔

اُس نے دیکھ اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے		صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے	سلہ	اس کی خطا نہین تھی یہ میرا قصور تھا

سلہ "قاصد کو گردن نہ ماریئے" یعنی "قاصد را گردن مزن"۔

عرض نیاز عشق کے قابل نہین رہا	سلہ	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا
جاتا ہون داغ حسرت ہستی لیے ہوئے		ہون شمع کشتہ درخور محفل نہین رہا
مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین		شایان دست و بازوے قاتل نہین رہا
بر روے شش جہت در آئینہ باز ہے	سلہ	یان امتیاز ناقص و کامل نہین رہا
وا کر دیے ہین شوق نے بند نقاب حسن	سلہ	غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا
گو مین رہا رہین ستمہاے روزگار	سلہ	لیکن ترے خیال سے غافل نہین رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں	۵	حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسدؔ
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۱ نیاز۔ یعنی نیازمندی۔ جس دل پہ ناز تھا مجھے۔ یعنی جو ناز بردارئ یار کا متحمل تھا۔ ۱۲

۲ بر روئے شش جہت یعنی ہر شخص کے لیے۔ یاں یعنی خانۂ آئینہ میں۔ ۱۲

۳ یعنی اب بھی اگر دیدار حسن نصیب نہ ہو تو یہ اپنی نگاہ قاصر کا قصور ہے۔ ۱۲ یا یہ کہ اور سب حجاب اُٹھ چکے ہیں۔ صرف حجابِ نگاہ باقی ہے۔ یہ بھی اُٹھ جائے تو پھر شاہد و شہود میں کوئی فرق باقی نہ رہے

۴ یعنی باوجود مکروہاتِ زمانہ کے ہجوم کے تیری یاد دل سے نہ گئی۔ ۱۲

۵ واں یعنی کشتِ وفا میں۔ ہوا یعنی آرزو۔ مطلب یہ ہے کہ اب آرزوئے وفا ہی مٹ گئی کیونکہ وفا سے بھی بجز حسرت اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ ۱۲

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف	۱	عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
ذرہ ذرہ ساغرِ مے خانۂ نیرنگ ہے	۲	گردشِ مجنوں بہ چشمکہائے لیلیٰ آشنا
شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز	۳	ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا
شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے		میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے	۴	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

۱ اغیار کے ساتھ محبوب کا ربط و ضبط دیکھ کر عاشق رشک اور افسوس کرتا ہے لیکن پھر عقل کہتی ہے کہ رقیب کے ساتھ بھی اس کا اخلاص واقعی نہیں ہے کیونکہ وہ بے مہر بھلا کس کا آشنا ہوتا ہے۔

۲ جس طرح گردشِ مجنوں چشمِ لیلیٰ کے اشارے کی پابند تھی اسی طرح دنیا میں ذرہ ذرہ نیرنگی عالم کا تابع ہے یعنی شانِ الٰہی کی

۳ عشق کی بابت کہتا ہے کہ اربابِ عجز کی نازش کا سامان اسی شوق کے ذریعے سے مہیا ہوتا ہے کیونکہ اسی کی بدولت قطرہ دریا اور ذرہ صحرا ہو جاتا ہے

شوق نے تیرے بڑھ کر کیا کیا ان کے لیے		ہر ذرہ کو صحرا کیا قطروں کو دریا کر دیا۔

۴؎ یعنی اب میرا اور اس دل کا ساتھ ہے جو دشمن عافیت ہے اور آشنائے وحشت۔ پہلے مصرعے مین "اور" عطف ملازمت ہے۔۱۲

۵؎ کوہکن نے اس قدر عرق ریزی کی پھر بھی تمثال سنگ شیرین کو پیدا نہ کر سکا نہ کہ خود شیرین کو اس مین اشارہ اس امر کی جانب ہے کہ فرہاد کا عشق کامل نہ تھا ورنہ خود شیرین کا پیدا ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔۱۲

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا — بن گیا رقیب آخر تھا جو راز دان اپنا

مے وہ کیون بہت پیتے بزم غیر مین یارب ۱؎ — آج ہی ہوا منظور ان کو امتحان اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے — عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکان اپنا

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالین گے ۲؎ — بارے آشنا نکلا ان کا پاسبان اپنا

درد دل لکھون کب تک جاؤن انکو دکھلاؤن — انگلیان فگار اپنی خامہ خونچکان اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا — ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستان اپنا

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو ۳؎ — دوست کی شکایت مین ہم نے ہمزبان اپنا

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

۱؎ بزم غیر مین بکثرت شراب نوشی سے محبوب کو اپنی مے کشی اور خودداری کا امتحان منظور ہے۔۔ غالب بطرز شکوہ کہتا ہے کہ یہ بھی خوبی قسمت دیکھیے کہ آج ہی اُن کو اپنا امتحان منظور ہوا جب کہ وہ بزم غیر مین ہین۔ کاش کہ ایسا امتحان میرے ساتھ کرتے اور میرے ساتھ شراب پی کر بیہوش ہوتے۔

۲؎ یعنی خوب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاسبان ہمارا جان پہچان نکلا اب ہمارے لیے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ذلت ہم کو دے ہم اس کو ہنسی مین ٹالتے رہین گے اور یہ ظاہر کرتے رہین گے کہ ہمارا قدیم آشنا ہے ہمارا اس کا قدیم سے یہی برتاؤ ہے۔ (یادگار غالب)

۳؎ رقیب کو شکایت کی ضرورت نہین ہے۔ لیکن جب ہم اس کے سامنے جفائے یار کی شکایت کرتے ہین تو اس قسم کی باتین کرتے ہین جس سے ثابت ہو کہ ہماری رائے مین اُسے بھی موقع شکایت

حاصل ہے اور اس طرح پر ستم یار کے معاملے مین اُسے بھی اپنا ہمزبان بنا لیتے ہین کیونکہ اگر ایسا نہ کرین تو وہ یعنی رقیب ہمارے اس شکوہ و شکایت کی خبر یار تک پہونچا دے۔

سرمۂ مفت نظر ہون مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے عیان ہو غم پنہان میرا

[۱] یعنی کہین ایسا نہ ہو کہ ضبط غم کی وجہ سے مین مرجاؤن اور تجھے رنج ہو اور اس طرح پر تیرے چہرے سے میرا غم پنہان ظاہر ہو - یا یہ معنی ہین کہ کہین ایسا نہو کہ میرا دل ضبط غم کرے اور اس کے اثر سے تیرے دل پر بھی چوٹ لگے جس کا اثر تیرے چہرے سے نمایان ہو ۱۲-

۵۱ غافل بوہم ناز خود آرا ہے ورنہ یان
بے شانۂ صبا نہین طرہ گیاہ کا

۵۲ بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صید ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

۵۳ رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

۵۴ مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہون مین کہ ہے
پر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

۵۵ جان در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

[۱] غافل اپنی کاروائی پر ناز کرتا ہے حالانکہ جب دنیا مین ایک طرۂ گیاہ بھی ایسا نہین ہے جس کو صبا شانہ کرکے آراستہ نہ کرتی ہو - تو ایسی حالت مین انسان کے لیے اپنی کامیابی پر ناز کرنا غفلت اور حماقت کی دلیل ہے - چاہیے کہ تمام کامرانیان لطف الٰہی کی جانب منسوب کی جائین -

[۲] تمنا نہ رکھ فارسی ترکیب کا ترجمہ ہے یعنی تمنا نہ کر - صید ز دام جستہ وہ شکار جو دام سے نکل گیا ہو کہتا ہے بزم مے نوشی سے عیش کی امید نہ رکھ کیونکہ اس بزم کا رنگ ایک ایسا شکار ہے جو قبضے مین نہین رہ سکتا یعنی محفل عشرت کے رنگ کو ثبات نہین ہے اس لیے اس سے عیش کی امید بیکار ہے ۱۲

[۳] کہتا ہے کہ ہم شرمندگی گناہ کی وجہ سے عذر گناہ نہین کرتے سکیا عجب ہے کہ رحمت الٰہی شرمندگی کے سبب سے ہمارے اس عذر گناہ نہ کرنے ہی کو قبول کرلے ۱۲-

[۴] اپنے شوق شہادت کا اظہار کرتا ہے کہ زخمون کی بہار میری نظرون مین ہے جس سے گویا نگاہ کا دامن پر از گل ہو گیا ہے ۱۲ زخم کو پھول سے مشابہ کیا ہے -

ـــه ہوا یعنی شوق۔ تیرے داد خواہ کا یعنی اسد کا۔ پروانے کو وکیل بنایا کیونکہ وہ شمع کا عاشق بھی جل کر اپنی جان دے دیتا ہے اور گویا زبان در ہوا سے یک نگہ گرم کا مصداق ہوتا ہے۔ ۱۲

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا	ـــا	کہتے ہیں ہم تجھکو منہ دکھلائیں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان		ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا
لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ		جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ		یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
موج خون سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے		آستان یار سے اٹھ جائیں کیا
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	ـــ۲	مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

ـــه وہ اپنی جفا سے اب اس قدر شرمندہ ہیں کہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب ہم تجھے کیا منہ دکھلائیں گے۔ پس غالب کہتا ہے کہ وہ جور و ستم سے باز آنے پر بھی باز نہ آئے کیونکہ شرم ستم کی بنا پر ان کا منہ نہ دکھلانا یہ بھی مجھ پر ظلم ہے۔ ۱۲

ـــ۲ انھوں نے عمر بھر تو مجھ کو مرنے کی راہ دکھلائی اب میرے مرجانے پر دیکھیے کیا دکھلاتے ہیں۔ ۱۲

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی	ـــا	چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا
حریف جوشش دریا نہیں خود داری ساحل	ـــ۲	جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

ـــه بغیر کثافت کے لطافت جلوہ گر نہیں ہو سکتی۔ مصرعہ ثانی اس بیان کا مثالی ثبوت ہے۔ اس طور پر کہ باد بہاری کا جلوہ چمن کے ذریعے سے نمودار ہوتا ہے۔ حالانکہ چمن باعتبار اپنی سبزی کے گویا آئینہ بہاری کا زنگار ہوتا ہے۔ دکھانا یہ ہے کہ یہاں بھی کثافت (زنگار چمن) کے بغیر لطافت (لطافت باد بہار) جلوہ گر نہ ہوئی۔

ـــ۲ جس طرح سے کہ جوشش دریا کے مقابلے میں ساحل اپنے کو غرق آب ہونے سے روک نہیں سکتا اسی طرح سے جہاں تو ساقی ہو وہاں ہوشیاری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہوجانا ۵۱ درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا

تجھ سے قسمت مین مری صورت قفل ابجد ۵۲ تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہوجانا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت مین تمام ۵۳ مٹ گیا گھسنے مین اس عقدے کا وا ہوجانا

اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمن ارباب وفا ہوجانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا باور آیا ہمین پانی کا ہوا ہوجانا

دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال ہوگیا گوشت سے ناخن کا جدا ہوجانا

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا ۵۴ روتے روتے غم فرقت مین فنا ہوجانا

گر نہین نکہت گل کو ترے کوچے کی ہوس کیون ہے گرد رہ جولان صبا ہوجانا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل ۵۵ دیکھ برسات مین سبز آئینے کا ہوجانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالبؔ
چشم کو چاہیے ہر رنگ مین وا ہوجانا

۵۱ جب درد حد سے گذر جائے گا تو وہ صاحب درد کی ذات کو فنا کر دے گا اور اس کے لیے درد باقی نہ رہے گا اس طرح پر درد کا حد سے گذرنا درحقیقت دوا ہوجانا ہے کیونکہ فنا ہوکر قطرہ دریا سے مل جائے گا اور جز کا کل مین فنا ہوجانا عین مقصود ہے۔

۵۲ قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس مین حلقون پر حروف ابجد کندہ ہوتے ہین۔ اور جب تک یہ سب حرف بترتیب مقررہ نہین ملتے قفل نہین کھلتا۔ اس شعر مین "بات کے بنتے ہی جدا ہوجانا" اسی رعایت سے آیا ہے۔ ۱۲ مطلب یہ ہے کہ جس طرح مقررہ لفظ کے بنتے ہی قفل ابجد کھل کر جدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح بدقسمتی سے میری بات (تدبیر) کے بنتے ہی مجھے تجھ سے جدائی نصیب ہوگئی۔

۵۳ زحمت دل کے دور کرنے کی اتنی کوششین کی گئین کہ ان کوششون کی کثرت اور کشمکش مین دل ہی تمام ہوگیا۔ گویا ایک عقدہ تھا جس کے کھولنے کی اس درجہ کوشش کی گئی کہ کھولتے کھولتے "اس عقدے کا وا ہونا" گھس کر رہ گیا۔ یعنی ناممکن ہوگیا قاعدہ ہے کہ زیادہ کوشش کرنے سے اکثر گرہ اور بھی سخت ہوجاتی ہے اور اس کا کھلنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ ۱۲

۵۴ جس طرح ابر کا برس کر کھل جانا بھلا معلوم ہوتا ہے اسی طرح غم ہجر مین روتے روتے مرجانا مجھے اچھا

معلوم ہوگا۔

۵ آئینہ یعنی آئینہ فولادی جو برسات مین سبز ہو جاتا ہے۔ ہوائے صیقل یعنی خواہش صیقل آئینے کا سبز ہو جانا ہوا کے اثر سے ہے۔ گویا آئینہ اعجاز ہوا سے سبز ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس ہوا سے ہوائے صیقل یعنی خواہش صیقل ہی کیون نہ مراد ہو۔ مقصود شاعر یہ ہے کہ آج کل اعجاز ہوا یہان تک بڑھا ہوا ہے کہ ہوا بمعنی خواہش مین بھی وہی تاثیر اور اعجاز پیدا ہو گیا ہے جو اصلی ہوا مین ہوتا ہے۔

ردیف "ب"

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
دے بطِ مے کو دل و دست شنا موج شراب [1]

پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن
سایۂ تاک مین ہوتی ہے ہوا موج شراب [2]

جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے
سر سے گذرے پہ بھی ہے بال ہما موج شراب [3]

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب

چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
موج گل موج شفق موج صبا موج شراب [4]

جس قدر روح نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکین بدم آب بقا موج شراب [5]

بسکہ دوڑے ہے رگ تاک مین خون ہو ہو کر
شہپر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب

موجۂ گل سے چراغان ہے گذرگاہ خیال
ہے تصور مین زبس جلوہ نما موج شراب [6]

نشے کے پردے مین ہے محو تماشائے دماغ
بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب [7]

ایک عالم پہ ہین طوفانی کیفیت فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب [8]

شرح ہنگامۂ مستی ہے زہے موسم گل
رہبر قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب [9]

ہوش اڑتے ہین مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

[1] بطِ مے یعنی صراحی مے جو بہ شکل بط ہو۔ دل و دست شنا یعنی حوصلہ و قوت شناوری۔ مطلب یہ ہے کہ موسم برشگال آیا یعنی اب وہ پھر زمانہ آیا کہ شراب نوشی کا دور دورہ ہو۔

۵۲ ارباب چمن یا چرا نان چمن بمعنی اشجار سر سبز۔ ارباب چمن کے لیے سیہ مستی کا لفظ بہت
مناسب ہے کیونکہ درختون کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے
کہ یہ جو چمن مین درخت مستانہ وار جھوم رہے ہین ان کی اس جنبش سرور کا سبب یہ ہے کہ سایۂ
انگور مین ہو کر گذرنے کے سبب سے ہوا مین شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔

۵۳ موج شراب کو بال ہما سے مشابہ کرتا ہے یعنی ہما کے مانند موج شراب کا بھی سر سے گذرنا دلیل
بخت مندی ہے۔ موج شراب کے سر سے گذرنے مین نشہ کے حد سے گذر جانے کی طرف اشارہ ہے
"دھی" کی معنوی قوت (جسے انگریزی مین فورس کہتے ہین) اس شعر مین یہ ہے کہ اگر شراب کا استعمال
باعتدال ہو تو اس کا کیا کہنا۔ لیکن اگر اس کا نشہ حد سے متجاوز ہو جائے تب بھی وہ بال ہما سے مشابہ ہے۔

۵۴ چار موج بمعنی گرداب۔ لطف یہ ہے کہ دوسرے مصرعے مین چار قسم کی موجون کا ذکر بھی موجود ہے۔ ۱۲

۵۵ جگر تشنہ یا تشنہ جگر بمعنی شایق۔ روح نباتی یعنی قوت نامیہ۔
جس قدر قوت نمو مشتاق ناز ہے اسی قدر موج شراب (بہ دم آب بقا) اس کو تسکین دیتی ہے۔
یعنی شراب سے قوت نمو کے حسن اور اس کے ناز مین ترقی ہوتی ہے۔ ۱۲

۵۶ موج شراب جو موج گل سے مشابہ ہے اُس کے تصور سے گذرگاہ خیال مین چراغان کی سی کیفیت
پیدا ہو گئی ہے۔ ہجوم گل کو چراغان سے مشابہ کیا ہے۔

۵۷ نشو و نما یعنی نشو و نمائے دماغ۔ سر بمعنی خیال و خواہش۔ یہ لفظ دماغ کی رعایت سے آیا ہے۔ ۱۲
مطلب یہ ہے کہ شراب کو چونکہ نشو و نمائے دماغ کا خیال ہے اس لیے وہ بہ شکل نشہ معاینۂ
دماغ کر رہی ہے۔ ۱۲

۵۸ طوفانی یعنی جوش و خروش کا اظہار کرنے والے۔ فصل یعنی یہ موسم بارش ۱۲
کہتا ہے کہ تمام طوفانیات کیفیت فصل (یعنی موجۂ سبزۂ نوخیز سے لیکر موج شراب تک سب)
ایک ہی رنگ مین ہین۔ یعنی مستی کے عجیب عالم مین ہین۔ ۱۲

۵۹ چونکہ موسم گل بھی ہنگامۂ ہستی کے مانند چند روزہ اور خوش گوار ہوتا ہے اس لیے اسے شرح
ہنگامۂ ہستی کہا۔ اور چونکہ شراب بھی بے خودی پیدا کرتی ہے جو فنا سے مشابہت رکھتی ہے
اس لیے اس کو "رہبر قطرہ بدریا" کہا کیونکہ فنا قطرے کو دریا سے اور جزو کو کل سے ملا دیتی ہے۔ ۱۲

ردیف "ت"

افسوس کہ دندان کا کیا رزق فلک نے	[1]	جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت
کافی ہے نشانی تری چھلّے کا نہ دینا		خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

[1] جن لوگوں کی انگشت سلکِ گہر کے قابل تھی افسوس کہ فلک نے (اسے) دندان کا رزق کیا یعنی افسوس کہ وہ لوگ انگشتِ حسرت بدندان ہیں۔

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت		پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشق خوں نابہ مشرب		لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت
علی الرغمِ دشمن شہیدِ وفا ہوں	[2]	مبارک مبارک سلامت سلامت
نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنی	[3]	تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

[2] علی الرغم دشمن یعنی برخلاف خواہش رقیب - کیونکہ آئین محبت میں شہید وفا ہونا ایک بہت بڑا امتیاز ہے ۱۲ خلاف خواہش رقیب شہید وفا ہونے پر مبارکباد دیتا ہے۔

[3] سر و برگ بمعنی سامان - صورت ضد معنی - مطلب یہ ہے کہ اگر دریافت حقیقت کی قوت نہیں ہے تو تماشائے صورت ہی سہی۔

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب		یار لائے مری بالیں پہ اسے پر کس وقت
آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست	[1]	دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر		کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
خانہ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجیے	[2]	صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست
عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے		کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
چشمِ ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے	[3]	دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

غیر یون کرتا ہے میری پرسش اسکے ہجر مین
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

تاکہ مین جانون کہ ہے اسکی رسائی وان تلک
مجھکو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جبکہ مین کرتا ہون اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

مہربانیہائے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیان کیجیے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر مین غالبؔ بس تکرارِ دوست

۱؎ آمدِ خط سے حسنِ یار کا بازار سرد ہو گیا) اسلیے خطِ روے یار کو بجھی ہوئی شمع کے دھوئین سے مشابہ کیا۔
۲؎ خانہ ویران سازی۔ خانہ خرابی۔ گھر کا اجاڑ دینا۔ فتنہ رفتار۔ رفتار پہ شاہد ہوا یعنی شیداے رفتار تماشا کیجیے
فارسی محاورے کا ترجمہ ہے معنی ملاحظہ کیجیے خود کو باعتبار حیرانی و پامالی بتخانہ بربادی نقش پاسے مشابہ کیا ہے
۳؎ مصرعۂ ثانی مین "ہے" کا محذوف ہونا بغایت ناگوار ہے۔ دیدۂ بیخون کی رعایت سے
(چشم ما روشن) اور چشم ما روشن کے لحاظ سے "دل شاد" نظم کیا ہے۔

ردیف "ج"

گلشن مین بندوبست برنگِ دگر ہے آج
۱؎ قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغان کے ساتھ
۲؎ تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
۳؎ سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

لو ہم مریضِ عشق کے بیمار دار ہین
۱؎ اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

۱؎ حلقۂ بیرونِ در یعنی بیرونِ در کی زنجیر کا حلقہ۔ مجازاً وہ شخص جسے اندر آنے کی اجازت نہ ہو
شاید ہمارا محبوب سیرِ چمن کو آنے والا ہے۔ اس لیے کسی کو باغ مین داخل ہونے کی اجازت نہین ہے
اور گلوے قمری کا طوق گویا حلقۂ بیرونِ در بنا ہوا ہے ۔۱۲
۲؎ تارِ نفس کی کمند نے اثر کو شکار کر لیا ہے یعنی آج ہماری آہ مین اثر پیدا ہوا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ

اٹھا ہے کہ ہر فغان کے ساتھ ایک پارۂ دل باہر آتا ہے۔ یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے اثر آہ کے اس الٹے نتیجے کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے۔۱۲

۳ چل یعنی رخصت ہو۔ کیونکہ سیلاب گریہ کے مقابلے مین عافیت و انتظام کا وجود ناممکن ہے۔

۱ لوگ اصرار کرتے ہین تو لو ہم مریض عشق کی تیمارداری کرتے ہین لیکن اگر مسیحا سے مریض عشق اچھا نہ ہوا تو پھر مسیحا کی کیا سزا (معاذ اللہ)

یا یہ کہ لو ہم مریض عشق کی تیمارداری کرتے ہین۔ لیکن جب یہ معلوم ہے کہ وہ اچھا نہ ہو گا تو مسیحا کا کیا علاج یعنی علاج مسیحا بیکار ہے۔۱۲

ردیف "چ"

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ	۱	اگر شراب نہین انتظار ساغر کھینچ
کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ	۲	برنگ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل	۳	کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ
تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس	۴	بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ
بہ نیم غمزہ ادا کر حق ودیعت ناز	۵	نیام پردۂ زخم جگر سے خنجر کھینچ
مرے قدح مین ہے صہبائے آتش پنہان	۶	بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

۱ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ۔ یعنی ترک آرزو نہ کر۔ اگر شراب نہین ہے تو انتظار ساغر ہی سہی۔ بہرحال ترک آرزو نہ کر۔۱۲

۲ آئینہ یعنی میری حسرت دیدار کا آئینہ جس مین جوہرون کے بدلے کانٹے ہین جن کو کمال گرمی سعی تلاش، کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ زیادہ تلاش اور دوڑ دھوپ کرنے والون کے پانون مین کانٹے گڑ جایا کرتے ہین۔

۳ انسان جب مائل خواب ہوتا ہے تو اس کو بستر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کو خواب کے لیے گویا بستر کا ناز کھینچنا پڑتا ہے۔ یہان شاعر دل کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ تیری راحت

کے لیے میل خواب اور نازکشی بستر کے بجائے انتظار یار کافی ہے۔۱۲

۴ه بکوری دل وچشم رقیب۔ یعنی علی الرغم عدو۔ خلاف خواہش نرگس جو تجھے بے تکلف مصروف مے نوشی دیکھنا چاہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نرگس تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے اس لیے تجھکو چاہیے کہ تو باغ مین اس طرح بے تکلف شراب نوشی مین مشغول ہو نرگس کو اس کی نگاہ حسرت کے لحاظ سے اپنا رقیب قرار دیا۔

۵ه مین نے تیرے خنجر کو یہ دہٗ زخم جگر کے نیام مین امانت رکھا ہے اب تو بھی اس کا حق دیدیعت یا مزد امانت "بہ نیم غمزہ ادا کر" ۱۲ لطف یہ ہے کہ نیام سے خنجر یا الف کے نکال لینے کے بعد "نیم" باقی رہ جاتا ہے۔

۶ه آتش پنہان کی شراب کے ساتھ دل سمندر کے کباب کی ضرورت ہے۔۱۲ کھینچ یعنی چن دے۔

ردیف "د"

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہین اہل جفا میرے بعد

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اُس مین سے دھوان اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خون ہے دل خاک مین احوال بتان پر یعنی
ان کے ناخن ہوے محتاج حنا میرے بعد ۱ه

درخور عرض نہین جوہر بیداد کو جا
نگہ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد ۲ه

ہے جنون اہل جنون کے لیے آغوش وداع
چاک ہوتا ہے گریبان سے جدا میرے بعد ۳ه

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد ۴ه

غم سے مرتا ہون کہ اتنا نہین دنیا مین کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

؎۱ مجھکو احوال بتان پر افسوس آتا ہے کہ میرے بعد میرے سوگ مین انھون نے مہندی لگانا چھوڑ دیا ہے

؎۲ عرض یعنی کسی چیز کا کسی پر ظاہر کرنا۔ جوہر بیداد کے اظہار کے لیے اب کوئی جائے مناسب باقی نہین رہی یعنی میرے بعد اُن کے ستم ناز کا تختہ مشق بننے کے لیے کوئی باقی نہین رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بعد انھون نے مہندی کی طرح سرمہ لگانا بھی چھوڑ دیا ہے گویا ان کی نگاہ ناز سرمے سے خفا ہے۔

؎۳ آغوش وداع ہے۔ یعنی رخصت ہو رہا ہے۔

؎۴ مصرعۂ اول مجموعۂ الفاظ صلا ہے۔ پہلی بار ساقی سوالیہ لہجے مین دریافت کرتا ہے کہ "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی ہے جو مے مرد افگن عشق کا حریف ہو۔؟
پھر جب اس آواز پر کوئی نہین آتا تو اسی مصرعے کو مایوسی کے لہجے مین مکرر پڑھتا ہے کہ "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" یعنی کوئی نہین ہوتا (یادگار غالب)

ردیف "ر"

بلا سے ہین جو یہ پیش نظر در و دیوار ؎۱ نگاہ شوق کو ہین بال و پر در و دیوار

وفور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ ؎۲ کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

نہین ہے سایہ کہ سن کر نوید مقدم یار ؎۳ گئے ہین چند قدم پیش تر در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانی مے جلوہ کہ مست ہے ترے کوچے مین ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ ؎۴ کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے کہ گر پڑے نہ مرے پانون پہ در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسائے مین تو سائے سے ؎۵ ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار

نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانے مین
حریف راز محبت مگر در و دیوار

سلہ نگاہ شوق کو در و دیوار روک نہین سکتے بلکہ الٹے بال و پر کا کام دیتے ہین یعنی رکاوٹون سے شوق مین اور بھی ترقی ہوتی ہے - ۱۲

سلہ دیوار و در در و دیوار ہو گئے ہین یعنی تہ و بالا ہو کر دیوار در ہو گئی اور دروازہ مٹی سے جسد ہو کر دیوار بن گیا ہے - ۱۲

سلہ مقدم بمعنی آنا کے بلکہ سایہ یعنی در و دیوار کا سایہ جو استقبال کے لیے دیوار سے آگے بڑھ گیا ہے -

سلہ یعنی عشاق کی نگاہین انتظار مین در و دیوار پر جمی ہوئی ہین گویا در و دیوار متاع نظارہ کی دکان بن گئے ہین - اگر تجھے جنس انتظار کی خریداری منظور رہے تو آ -

سلہ سائے سے - یعنی بذریعہ سایہ - ۱۲ ایک مکان کا سایہ بڑھکر دوسرے مکان سے اکثر مل جاتا ہے اسی سے یہ خیال پیدا ہوا -

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر		جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر
کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقت سخن		جانون کسی کے دل کی مین کیونکر کہے بغیر
کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان مین		لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر
جی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم		سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر
چھوڑون گا مین نہ اُس بت کافر کا پوجنا		چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام	سلہ	چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو		بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
بہرا ہون مین تو چاہیے دونا ہو التفات		سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

سلہ گفتگو مین مثلاً شعر و سخن مین دشنہ و خنجر سے ناز و غمزہ مراد لیا کرتے ہین -

کیون جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھکر	سلہ	جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر
آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے		سرگرم نالہائے شرربار دیکھکر

کیا آبروے عشق جہان عام ہو جفا ۱؎
رکتا ہون تم کو بے سبب آزار دیکھکر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے ۲؎
مرتا ہون اس کے ہاتھ مین تلوار دیکھکر

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق ۳؎
لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھکر

بک جاتے ہین ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال ۴؎
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر

ان آبلون سے پانون کے گھبرا گیا تھا مین
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھکر

کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینے مین مرے ۵؎
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھکر

۱؎ اسی مضمون کا ایک دوسرا شعر مرزا نے لکھا ہے ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۱؎ عام ہو جفا یعنی عاشق صادق کے علاوہ عوام اہل ہوس پر بھی ہو ۔۱۲

۲؎ جوش رشک سے یعنی تلوار کی خوش قسمتی پر جو دست یار مین ہے ۔۱۲

۳؎ موج مے کے لرزنے کی یہ وجہ تھی کہ خون خلق تیری رفتار مستانہ سے ہوا اور تیری مستی کا باعث مے نوشی تھی بس گویا خون خلق گردن مینا پر ثابت ہوا ۔ اسی قصور کے خیال سے وہ لرز رہی ہے ۔

۴؎ لطف مضمون یہ ہے کہ بظاہر صورت زنار تسبیح سے زیادہ ہموار ہوتی ہے کیونکہ اُس مین تسبیح کی طرح دانے نہین ہوتے ۱۲ ۔ تسبیح پر زنار کو ترجیح دینا شاعرون کا عام دستور ہے ۔

۵؎ طوطی و آئینہ مین وہی نسبت ہے جو گل و بلبل مین ہے ۔ زنگار اور طوطی مین سبزی کی وجہ سے مشابہت ہے ۔ استعارون کو دور کرنے سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ میرے دل کی افسردگی اور محرومی کے اثر سے ہے لیکن وہ بدگمان یہ سمجھتا ہے کہ اس افسردگی اور تنگ حوصلگی کا سبب یہ ہے کہ کسی دوسرے محبوب کی محبت میرے دل مین جاگزین ہوگئی ہے ۔۱۲

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشان پر ۱؎ مین ہون وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیابان پر

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یان بھی خانہ آرائی ۲؎ سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زندان پر

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اُس زمانے سے ۳؎ کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے بہم گر صلح کرتے پارہائے دل نمکدان پر

نہین اقلیم الفت مین کوئی طومار ناز ایسا ۴؎ کہ پشت چشم سے جس کے نہ ہووے مہر عنوان پر

مجھے اب دیکھکر ابر شفق آلودہ یاد آیا ۵؎ کہ فرقت مین تری آتش برستی تھی گلستان پر

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا ۶؎ قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیدان پر

۷؎ نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اُس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر

۱؎ اول تو قطرۂ شبنم ہی کی کیا ہستی دوسرے وہ قطرہ بھی کیسا قطرہ جو خار بیابان کی نوک پر ہو یعنی جس کا خود بخود فنا ہو جانا یقینی ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا دل مہر درخشان کی زحمت پر لرزتا ہے کہ وہ ایک ایسے قطرۂ ناچیز کے فنا کرنے کی تکلیف اُٹھاتا ہے گویا۔ ع۔ شاہبازے بہ شکار مگسے مے آید ۱۲

۲؎ پھرتی ہے" مین ایہام ہے۔ ایک تو سفیدی چشم یعقوب کی جو دیوار زندان پر شوق تلاش و دیدار حضرت یوسف مین پھرتی رہی۔ دوسری سفیدی جو مکانون پر آرائش اور صفائی کی غرض سے پھرتی ہے ۔۱۲

۳؎ مین درس بیخودی مین تعلیم فنا اس وقت سے پاتا ہون کہ مجنون طفل مکتب تھا اور مکتب کی دیوارون پر بچون کی طرح لکیرین کھینچا کرتا تھا (لا اور فنا مین رعایت لفظی ہے)

۴؎ طومار بمعنی دفتر پشت چشم کنایہ از غمزہ و اغماض۔ اقلیم الفت مین کوئی طومار ناز ایسا نہین جسکے عنوان پر پشت چشم سے مہر نہ ہو۔ یعنی جس طرح دفتر پہ مہر کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ناز کے ساتھ آنکھ چرانا بھی ضرور رہتا ہے۔

۵؎ ہجر یار مین ابر شفق آلود کو دیکھکر بمقتضائے حسرت مین نے نتیجہ نکالا کہ گلشن پہ آگ برستی تھی ۔۱۲
"اب یاد آیا" یعنی اس وقت تک فرط صدمۂ ہجر کے سبب سے اس بات کا خیال بھی نہ آیا تھا۔

۶؎ قیامت مین مردے زندہ ہوکر اُٹھین گے لیکن شاعر کہتا ہے کہ تیرے شہیدون مین سوائے "پرواز شوق ناز" اور کیا باقی رہا ہوگا جو قیامت انھین اُٹھائیگی۔ ان کے لیے تو قیامت گویا ایک

ہوا ے تند ہو گی جو ان کی خاک کو (جو پہلے ہی سے شوق ناز مین اڑ رہی ہے) کچھ اور بھی پریشان کر دیگی ۱۲

یہ اس شعر کے لطف کا اندازہ قوت تحریر سے بالا تر ہے ۔محرومی اور مجبوری کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے کہتا ہے کہ اگر ناصح ہم پر شدت اور سخت گیری کرتا ہے تو ہم اپنا گریبان چاک کر ڈالین گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ناصح کی شدت کا عوض کس طور پر اور کس سے لینا چاہتا ہے اور اس مین مجبوری کا کیا پہلو نکلتا ہے۔

ہے بس کہ ہر اک انکے اشارے مین نشان اور	۵۱	کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور
یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھین گے مری بات		دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھکو زبان اور
ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند	۵۲	ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور
تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اُٹھین گے	۵۳	لے آئین گے بازار سے جا کر دل و جان اور
ہر چند سبک دست ہوے بت شکنی مین	۵۴	ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگ گران اور
ہے خون جگر جوش مین دل کھول کے روتا		ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشان اور
مرتا ہون اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جاے	۵۵	جلاد کو لیکن وہ کہے جائین کہ ہان اور
لوگون کو ہے خورشید جہانتاب کا دھوکا		ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور
لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین	۵۶	کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور
پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے		رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

ہین اور بھی دنیا مین سخن ور بہت اچھے
کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

۵۱ "ہوتا ہے گمان اور" یعنی یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اظہار محبت اس لیئے کرتے ہین کہ ہماری فریفتگی اور عشق کا حال دریافت کرلین جب ان کو ہمارے عشق کا یقین ہو جائے گا تو محبت کے بجائے ناز معشوقانہ شروع کر دین گے ۔۱۲

۵۲ نگہ ناز کو تیر قرار دیا ہے لیکن کہتا ہے کہ اس تیر کی کمان ابرو نہین ہے بلکہ اور ہی کچھ ہے مثلاً کمان دلربائی کہ مثل کمان قضا اُس کا نشانہ کبھی خطا نہین کرتا ۔۱۲

۵۳ یعنی تمھارے عہد مین دل فروشی اور جان فروشی کا بازار گرم ہے ۔۱۲

لہ سکاب دست بمعنی مشاق - ہم یعنی ہماری ذات یا ہمارا وجود -
مطلب یہ ہے کہ جب تک اپنی ہستی سے گذر نہ جائیں ہم راہ معرفت طے نہیں کر سکتے -۱۲
ھ "ہاں اور" میں چونکہ حکم کا پہلو نکلتا ہے اس لیے "کہے جائیں" کا صلہ "کو" بھی صحیح ہے
مثلاً "ساتھ والوں کو کہا کہ یہ سب نقد و جنس بار کر لو" (باغ و بہار میر امن صفحہ) -۱۲ اور نہ عموماً "چلائے
سے اُکہے جائیں" بولتے ہیں -
ےہ اس شعر کی نثر یوں ہے "اگر تجھیں دل نہ دیتا (تو) کوئی دم (اور) چین لیتا - اور جو (اگر) نہ مرتا
(تو) کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا"

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر	لہ	تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی	ےہ	ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

لہ آب برجا ماندہ - پانی جو ایک جگہ پر ٹھیرا رہے - اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے - اسی طرح آئینے
کی صفائے حیرت ہی سے زنگ پیدا ہو جاتا ہے - آئینے کو پانی سے اور پانی پر کی کائی سے زنگ
کو تشبیہ دی ہے -۱۲
ےہ تدبیر بمعنی علاج - سامان عیش سے میری وحشت کا علاج نہیں ہوتا، بلکہ وحشت اور بھی بڑھ
جاتی ہے اور جام زمرد میں داغ پلنگ معلوم ہوتا ہے -

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی	لہ	گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
بر رنگِ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی	ےہ	ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر
فلک سے عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے	ےہ	متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر
ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے	ےہ	شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر
فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا		فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

لہ چاک گریبانی کا نتیجہ عریانی ہے اور عریانی دستگیر جنوں ہے - پس گریبان سے خطاب کر کے
کہتا ہے کہ اے گریبان میں چونکہ آشنائے جنوں ہوں اس لیے اس چاک کا میری گردن پر حق

ہو گیا ہے کیونکہ اس نے مجھکو عریان کر کے گویا میرے جنون کی دستگیری کی ہے -۱۲

۵۲ اس شعر کی نثر یون ہے "نیرنگ بیتابی" بال تپیدن پر (برنگ کاغذ آتش زدہ) ہزار آئینہ دل باندھے ہے - نیرنگ بمعنی شعبدہ - بال بمعنی بازو -

کاغذ آتش زدہ پر جل جانے کے بعد ہزارون نقطہائے روشن نمودار ہو جاتے ہین - غالب نے بال تپیدن کو کاغذ آتش زدہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے نقطہائے روشن کو دلون سے مشابہ کیا -۱۲

۵۳ متاع بردہ یعنی لوٹی ہوئی متاع - یہ مضمون بالکل وقوعیات مین سے ہے جو لوگ آسودگی کے بعد مفلس ہو جاتے ہین وہ ہمیشہ اپنے تئین مظلوم و ستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہین اور اخیر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہین کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہوگا اور ہمارا اقبال پھر عود کرے گا - (یادگار غالب)

۵۴ بے سبب رنج یعنی بے سبب آزردہ ہو جانے والا - مصرعۂ ثانی لفظ بے سبب رنج کی تشریح کرتا ہے یعنی ہم کو اس بے سبب رنج اور آشنا دشمن محبوب سے کام پڑا ہے جو شعاع مہر کو تار نظر سمجھکر چشم روزن پر بدنظری کی تہمت رکھتا ہے -۱۲

تعلق مصلحت ہے ہون کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہین		تکلف برطرف مل جائے گا تجھسا رقیب آخر

۵۵ تو کہ محبوب محبوبان عالم ہے تیرے چاہنے والون مین سے پھر کوئی ایسا بھی رقیب نکل آئیگا جو تجھ سا حسین ہوگا - مین اس سے دل لگاؤن گا -۱۲

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور		تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا		ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن		مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوے کہتے ہو قیامت کو ملین گے	۵۶	کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہان ای فلک پیر جوان تھا ابھی عارف		کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے	۵۷	پھر کیون نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور
تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے		کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھسے تمھین نفرت سہی نیر سے لڑائی		بچون کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گذری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش		کرنا تھا جوان مرگ گذارا کوئی دن اور

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہین غالب
قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

[۱] "کیا خوب قیامت بھی ہے گویا کوئی دن اور" یعنی ہمارے لیے تمھاری موت کی وجہ سے آج ہی قیامت ہے۔۱۲

[۲] اس مین اشارہ یہ ہے کہ بدر بھی رفتہ رفتہ کم ہو کر غائب ہوتا ہے پس تمھارا دفعۃً مرجانا قیامت ہے

ردیف "ز"

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر	[۱]	ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز
ہے ناز مفلسان زرازِ دست رفتہ پر	[۲]	ہون گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز
میخانہ جگر مین یہان خاک بھی نہین	[۳]	خمیازہ کھینچے ہے بت بیدادفن ہنوز

[۱] جیب کفن کو صبح سے اور داغ عشق کو آفتاب سے مشابہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے پر بھی مشغلۂ عشق باقی ہے۔

[۲] مفلس لوگ اپنی گذشتہ امارت پر ناز کیا کرتے ہین۔ اسی طرح مین اپنے داغہائے کہن کو یاد کر کے ناز کیا کرتا ہون۔۱۲

[۳] خمیازہ کھینچے ہے بت بیدادفن ہنوز" یعنی شراب خون کی تمنا مین۔ حالانکہ اب دل مین خون کا نشان بھی نہین ہے۔۱۲۔ اس شعر مین معشوق بیدادگر کی خونخواری کا ذکر ہے۔

حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز	[۱]	دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز
نہ ہو بہ ہرزہ بیابان نورد وہم وجود	[۲]	ہنوز تیرے تصور مین ہے نشیب و فراز
وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہان	[۳]	کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرداز
ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست		گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز
نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنون غالب	[۴]	جہان یہ کاسۂ گردون ہے ایک خاک انداز

۱؎ کہتا ہے کہ کسی مشکل مقصد کے حل ہونے میں تو عجز و نیاز نے کچھ کام نہ دیا تو اب یہی دعا مانگیں گے کہ الٰہی خضر کی عمر دراز ہو یعنی ایسی چیز طلب کریں گے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو۔ (یادگار غالب) ۔خدا سے از راہ طعن و شوخی کہتا ہے کہ اور کوئی دعا تو قبول نہ ہوئی اسی کو قبول کر

۲؎ ہرزہ یعنی بے کار ۔تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں ۔یعنی تیرا تصور نا تمام اور قاصر ہے مطلب یہ ہے کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ وجود اشیائے عالم کے متعلق تمام اوہام سے نجات حاصل ہو جائے۔

۳؎ جلوہ تماشا ترکیب فارسی ۔پرداز بمعنی صیقل ۔کہتا ہے کہ انتظار کے بعد جلوہ وصل ممکن ہے لیکن انتظار کی طاقت کس کو ہے ۔۱۲

۴؎ خاک انداز وہ ظرف جس میں مکان کا کوڑا کرکٹ جمع کرکے پھینکا جائے ۔۱۲

وسعت سعی کرم دیکھ کہ سر تا سر خاک ۱؎ گذرے ہے آبلہ پا ابر گہر بار ہنوز
یک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت ۲؎ نقش پا میں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

۱؎ کریموں کی کوشش کرم کی وسعت دیکھ کہ ابر تمام زمین پر برابر آبلہ پائی کی حالت میں بھی گہرباری کرتا گذرتا ہے ۔قطرات باران کی بنا پر ابر کو آبلہ کہا ۔ظاہر یہ کرتا ہے کہ سعی کرم میں اس کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں پھر بھی وہ بمقتضائے شان کرم بدستور اپنے کام میں مشغول ہے۔

۲؎ ہمارے نقش قدم میں گرمی رفتار کا بخار ہنوز باقی ہے جس سے صفحۂ دشت یکسر کاغذ آتش زدہ کے مانند جل رہا ہے (وثوق صراحت از جناب والہ دکنی)

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز ۱؎ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ۲؎ ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لاتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

۱؎ یعنی جان تمہاری عین ایمان ہے ۔یا یہ کہ وہ بت میرا ایمان ہے پس جان ایمان پہ سے قربان

۲؎ "پہ نہ نکلا دل سے" یعنی فراموش نہ ہوا ۔اور اس کی محبت ہنوز دل میں باقی ہے ۔۱۲

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز ‌ ‌ ‌ میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائشِ خمِ کاکل ‌ له ‌ میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز

لافِ تمکیں فریبِ سادہ دلی ‌ ٢له ‌ ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ‌ ‌ ‌ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے ‌ ‌ ‌ ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خون ‌ ‌ ‌ جس سے مژگاں ہوئی نہ ہوں گلباز

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز ‌ ‌ ‌ اے ترا ظلم سر بسر انداز

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ‌ ‌ ‌ ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا ‌ ‌ ‌ میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

له اندیشہائے دور و دراز مثلاً یہ اندیشہ کہ تیری آرایش میرے کمالِ محبت سے بدگمانی کے باعث سے ہے یعنی تو سمجھتا ہے کہ مجھے گرفتار رکھنے کے لیے ہنوز آرایشِ ظاہری کی ضرورت باقی ہے حالانکہ میری محبت اس سے مستغنی ہے ۔۱۲ یا یہ کہ تو میرے سوا اوروں کو بھی اپنا شیدا بنانا چاہتا ہے ۔

٢له مطلب یہ ہے کہ ہم بربنائے سادہ دلی ابھی تک یہی سمجھے جاتے ہیں کہ عشق میں دعوائے صبر و تمکین کا نباہنا ممکن ہے حالانکہ ایسے رازہائے سینہ گداز کے ہوتے ہوئے تمکین و وقار کا باقی رہنا بہت مشکل ہے ۔ ۱۲ لاف بمعنی ادّعا ۔

ردیف "س"

فردہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے ‌ له ‌ دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا ‌ ٢له ‌ جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے ‌ ‌ ‌ خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

مین بھی رک رک کے نہ مرتا جو زبان کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہن شیرین جا بیٹھے لیکن اے دل
نہ کھڑے ہو جیے خوبان دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھکو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود دیکھو پہنچے ہے گل گوشہ دستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

لہ دام یعنی دوسرا خالی دام جو اس غرض سے رکھا جاتا ہے کہ آزاد طائر بھی آکر گرفتار ہو جائین
سلہ تشنہ آزار یعنی خواہشمند آزار یعنی ایذا دوست ۔تسلی نہ ہوا ۔ترجمۂ تسلی نہ شد ۔یعنی تسکین نہ ہوئی
کہتا ہے کہ ایک ایک خار کے پاس پائے نگار سے خون کی ندیان بہ گئین اس پر بھی میرے ایذا دوست
جگر کی تسکین نہ ہوئی ۔

ردیف ش

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے
سلہ لگا وے خانہ آئینہ مین روئے نگار آتش

فروغ حسن سے ہوتی ہے حلّ مشکل عاشق
سلہ نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

لہ روئے یار کے فروغ حسن کا ذکر کرتا ہے کہ اگر جوہر آئینہ (جسے خس جوہر کہا) سبزۂ خط سے طراوت
نہ حاصل کرے تو یقیناً خانہ آئینہ مین شعلۂ حسن کے عکس سے آگ لگ جائے ۔
سلہ فروغ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے (مثلاً دیکھو کہ) اگر آتش پائے شمع سے خار نہ نکالے
تو کبھی (وہ خار) نہ نکلے ۔(یہ اس شعر کی نثر ہوئی)
آتش کو فروغ حسن سے ،شمع کو عاشق سے اور رشتۂ شمع کو خار شمع سے مشابہ کیا ہے ۔
جب موم بتی روشن ہوتی ہے تو رشتۂ شمع جل کر (گویا) پائے شمع سے نکل جاتا ہے ۔یعنی
آتش سے شمع کی مشکل حل ہوتی ہے یا مطابق تشبیہات مذکورۂ بالا فروغ حسن سے عاشق کی
مشکل حل ہو جاتی ہے ۔

ردیف "ع"

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع ¹ چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع

¹ آفتاب کے لیئے شام کے وقت تار شعاع کو جادۂ راہ قرار دیا اور ماہ نو کو آغوش وداع یعنی شام کے وقت آفتاب آمادۂ سفر ہے اور آسمان اُسے رخصت کرنے کے لیے تیار - ۱۲

رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع ¹ ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

زبان اہل زبان میں ہے مرگ خاموشی ² یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام بطرز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع

غم اس کو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلہ ³ ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے ⁴ بہ جلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع

نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ ⁵ شگفتگی ہے شہید گل خزانی شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

¹ رخ نگار کو گل سے مشابہ کیا - اور چونکہ اُسی کے سبب سے شمع کو سوز جاودانی ملا اس لیئے آتش گل کو شمع کے لیے آب حیات قرار دیا - کیونکہ شمع اسی وقت تک زندہ سمجھی جاتی ہے جب تک کہ وہ روشن ہے - ۱۲

² یہ بات یعنی یہ کہ اہل زبان کے محاورے میں خاموشی سے مرگ مراد ہے - روشن ہوئی یعنی ظاہر اور ثابت ہوئی - شمع کی رعایت سے "اہل زبان" اور "روشن ہوئی" لائے ہیں شمع کا خاموش ہو جانا ہی اس کا فنا ہو جانا ہے - اس لیئے گویا وہ بزبان حال کہہ رہی ہے کہ خاموشی سے مرگ مراد ہے - ۱۲

³ شعلۂ شمع کے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسرت پروانہ کے غم سے شمع ناتوان ہو گئی ہے - ۱۲

⁴ اہتزاز یعنی جنبش سرور - بہ جلوہ ریزی و بہ پرفشانی میں بائے تشبیہی ہے - یعنی جس طرح ہوا کی جلوہ ریزی سے شعلۂ شمع کو جنبش ہوتی ہے اسی طرح تیرے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے - ۱۲

⁵ شہید یعنی کشتہ - خزانی خزان زدہ - گویا غم عشق کے پژمردہ داغ میں بھی ایسی بہار ہے کہ اس شگفتگی مٹی ہوئی ہے - ۱۲

۵۶ بدگمانی یعنی یہ کہ شاید شمع بھی میری رقیب ہے اور یار پر عاشق ہے جب ہی تو وہ مجھکو دیکھ کر جل رہی ہے۔۱۲

ردیف "ف"

ہم رقیب سے نہین کرتے وداع ہوش جلتا ہے دل کہ کیون نہ ہم اک بار جل گئے	۱	مجبوریان تلک ہوئے اے اختیار حیف اے ناتمامئ نفس شعلہ بار حیف

۱ نہین کرتے وداع ہوش۔ کیونکہ اس سے راز محبت فاش ہوجائیگا۔

ردیف "ک"

زخم پر چھڑکیں کہان طفلان بے پروا نمک		کیا مزا ہوتا اگر پتھر مین بھی ہوتا نمک
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل	۵۱	ورنہ ہوتا ہے جہان مین کس قدر پیدا نمک
مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو	۵۲	نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک
شور جولان تھا کنار بحر پر کس کا کہ آج	۵۳	گرد ساحل ہے بزخم موجۂ دریا نمک
داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ		یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک
چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے		دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگین ہین اعضا نمک
غیر کی منت نہ کھینچونگا پئے توفیر درد		زخم مثل خندۂ قاتل ہے سرتاپا نمک

یاد ہین غالبؔ تجھے وہ دن کہ وجد ذوق مین
زخم سے گرتا تو مین پلکون سے چنتا تھا نمک

۵۱ یون تو دنیا مین نمک بہت پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہم کو اس سے کیا۔ یہان تو زخم دل کا سرمایۂ نازش راہ یار کی گرد ہے۔

۵۲ لف ونشر مرتب ہے۔ مجھکو نالۂ بلبل کا درد اور تجھکو خندۂ گل کا نمک مبارک ہو۔۱۲

سے توسن یار کے جولان پرشور کے اثر سے گرد ساحل نمک بن کر موج دریا کے زخم رشک پر نمک افشانی کر رہی ہے ۔۱۲ اور رشک یہ کہ دریا کے جوش و خروش کی اس کے مقابلے مین کچھ ہستی نہ رہی ۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک		کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
دام ہر موج مین ہے حلقۂ صد کام نہنگ		دیکھین کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب		دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن		خاک ہو جائین گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم		مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل	له	گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ مین جلتی ہے سحر ہونے تک

له ذوق ۔ کیا اعتبار ہستی ناپائدار کا ÷ چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا ÷

ردیف "گ"

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ	له	یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد		مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

له دل بے مدعا کے علاوہ اور کسی شے کے حاصل ہونے کی دعا نہ مانگ ۔۱۲

سے اسی مضمون کا ایک اور شعر ہے ۔

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد	یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہے

ردیف "ل"

ہے کس قدر ہلاک فریب وفائے گل	له	بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہائے گل

آزادیِ نسیم مبارک کہ ہر طرف ۔۔۔ ٹوٹے پڑے ہین حلقۂ دامِ ہوائے گل ۵۲
جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے مین مر گیا ۔۔۔ اے وائے نالۂ لبِ خونین نوائے گل ۵۳
خوش حال اس حریفِ سیہ مست کا کہ جو ۔۔۔ رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بپائے گل
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار ۔۔۔ میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل ۵۴
شرمندہ رکھتے ہین مجھے بادِ بہار سے ۔۔۔ مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل
سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کے ۔۔۔ خون ہے مری نگاہ مین رنگِ ادائے گل ۵۵
تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک ۔۔۔ بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل ۵۶

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

۵۲ پھول بلبل کی سادگی اور گشتۂ فریبِ وفا ہونے پر خندہ زن ہین ۔۱۲

۵۲ غنچۂ گل کے دام مین بوئے گل گرفتار تھی۔ اب گل کے شگفتہ ہونے پر وہ حلقۂ دام شکست ہو گیا اب نسیم پُر از بوئے گل کو آزادی مبارک ہو۔۱۲

۵۳ لوگ موجِ رنگ کے دھوکے مین پھول کی رنگینی پہ مٹتے رہے حالانکہ درحقیقت وہ گل کی نوائے خونین اور نالۂ خون چکان تھا۔

۵۴ میرا رقیب ہے " کیونکہ بہار پھولون کو اسی لیے ایجاد کرتی ہے کہ وہ تیرے گلے کا ہار ہون۔ اور یہ موجبِ رشک ہے۔

۵۵ تیرے حسنِ غیور کے رعب سے رنگ گل کی ادا میری نگاہ مین خون نظر آتی ہے یعنی کسی طور پر پسندیدہ نہین ہے کیونکہ مجھکو معلوم ہے کہ تیرے حسن کی غیرت اس امر کو کبھی گوارا نہ کرے گی کہ اس کے مقابلے مین مجھکو کسی اور کی ادا بھی اچھی معلوم ہو۔

۵۶ یعنی تیرے جلوے کا تماشا دیکھنے کے لیے ایک پھول دوسرے کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔

۵۷ " از وہم آغوشی آرزو دارم " محاورۂ فارسی ہے۔ اسی لحاظ سے " وہم آغوشی کی آرزو" نہ لکھا بلکہ " از" کا ترجمہ سے کر کے " اس سے ہم آغوشی آرزو ہے" لکھا۔

ردیف "م"

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس ۔۔ ۵۱ ۔۔ برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال ۔۔ ۵۲ ۔۔ ہیں ورق گردانی نیرنگ یک تبخانہ ہم

باوجود یک جہان ہنگامہ پیدائی نہیں ۔۔ ۵۳ ۔۔ ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو ۔۔ ۵۴ ۔۔ ہیں وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زندان خانہ ہم

۵۱ "برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم" اور ظاہر ہے کہ برق کی چمک دم بھر سے زیادہ نہیں رہتی اپنے کو آزاد قرار دیکر اس بیان سے یہ ثابت کرتا ہے کہ "غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس"
۵۲ ورق گردانی یعنی ورق گرداننده۔ گنجفہ اور ورق میں رعایت لفظی ہے ۱۲ مطلب یہ ہے کہ خیال اگلی صحبتہائے برہم کی یاد کو دل میں تازہ رکھتا ہے۔

۵۳ یک جہان ہنگامہ یعنی جوش ہنگامہ۔ پیدائی۔ یعنی ظہور۔ مصرعہ ثانی بیان مصرعہ اول کی تشریح ہے "چراغان شبستان پروانہ" کے مانند ہماری ہستی کا بھی باوجود این ہمہ شوراشوری پتا نہیں ہے۔
۵۴ ہم نے جو جستجو چھوڑدی ہے یہ قناعت کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جستجو کی طاقت ہی نہیں باقی ہے "ہیں وبال الخ"

بنالہ حاصل دل بستگی فراہم کر ۔۔ ۱ ۔۔ متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

۱ دل بستگی یعنی تعلق خاطر جس کو زنجیر سے مشابہ کیا ہے اور کہتا ہے کہ جس طرح خانۂ زنجیر میں اسکی صدا یا جھنکار کے سوا اور کچھ دولت نہیں ہوتی اسی طرح تعلق خاطر کی متاع بھی نالے کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے پس اسی کو فراہم کرنا چاہیے یعنی نالہ کشی اختیار کرنا چاہیے ــــ

مجھکو دیار غیر میں مارا وطن سے دور ۔۔ ۵۵ ۔۔ رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہائے زلف کمیں میں ہیں ای خدا ۔۔ ۔۔ رکھ لیجیو میرے دعوے وارستگی کی شرم

۵۵ "رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم" کیونکہ دیار غیر میں میرا کوئی شناسا نہ تھا اس لیے

اگر وہان بےکسی اور کس مپرسی کی حالت مین موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہ ہوئی - یا یہ کہ وطن سے دور مارے جانے مین بےکسی کی شرم رہ گئی - کیونکہ اگر وطن مین مارا جاتا تو بیکسی کی تکمیل نہ ہوتی

ردیف "ن"

ون وام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہان سے اداکرون

وہ فراق اور وہ وصال کہان
وہ شب و روز و ماہ و سال کہان

فرصت کاروبار شوق کسے
ذوق نظارۂ جمال کہان

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شور سودائے خط و خال کہان

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہان

ایسا آسان نہین لہو رونا
دل مین طاقت جگر مین حال کہان

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
وان جو جاوین گرہ مین مال کہان

فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون
مین کہان اور یہ وبال کہان

مضمحل ہو گئے قوے غالب
وہ عناصر مین اعتدال کہان

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہین
ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہین پر دیکھیے کیا کہتے ہین

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہین

دل مین آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہین

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
سلہ
خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین

اک شرر دل مین ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا
سلہ
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہین

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

	وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین	۵۳

[1] مہر گیا ایک قسم کی بوٹی ہے جس کی جڑ بشکل انسان ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ جو شخص اسے اپنے پاس رکھتا ہے اس پر لوگ مہربان ہوجاتے ہین۔ یہان خار راہ یار کو مہر گیا اس لیے کہا کہ خار سے پیر زخمی ہوا اور پائے افگار پر محبوب کو رحم آیا۔ ۱۲

[2] ہم لوگ کہ ہوا سے آگ مراد لیتے ہین بھلا ہم دل کے ایک شرر سے کیا گھبرائین گے۔

[3] شیفتہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ شاگرد مومن۔ وحشت غلام علی خان وحشت شاگرد مومن۔

ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن مین نہین	[1]	آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن مین نہین
رنگ ہو کر اُڑ گیا جو خون کہ دامن مین نہین		ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین
ذرے اُسکے گھر کی دیوارون کے روزن مین نہین	[2]	ہو گئے ہین جمع اجزائے نگاہ آفتاب
پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن مین نہین		کیا کہون تاریکی زندان غم اندھیر ہے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن مین نہین		رونق ہستی ہے عشق خانہ ویران ساز سے
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین	[3]	زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن مین نہین		بسکہ ہین ہم اک بہار ناز کے مارے ہوئے
خون بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن مین نہین		قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
موج مے کی آج رگ مینا کی گردن مین نہین	[4]	لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن مین نہین	[5]	ہو فشار ضعف مین کیا ناتوانی کی نمود

	تھی وطن مین شان کیا غالب کہ ہو غربت مین قدر بے تکلف ہون وہ مشت خس کہ گلخن مین نہین	

[1] جگر یبان بعلت چاک گریبانی لٹک کر دامن مین ہو وہ ننگ پیراہن ہے۔ اور اس گل کے مانند بے آبرو ہے جو گلشن مین نہو۔ گویا کہ مذہب عشق مین گریبان کی اصلی اور مناسب جگہ چاک ہوکر دامن ہی کے پاس قرار پائی۔

[2] روزن دیوار سے آفتاب کی جو شعاعین مکان یار مین آتی ہین ان کی روشنی مین جو بہت سے ذرے

نظر آتے ہین ان کی نسبت کہتا ہے کہ گویا اجزا ہین نگاہ آفتاب کے جو روئے یار کی زیارت کا مشتاق ہے
سلہ یعنی ہمارا زخم کا سلوانا بغرض چارہ جوئی نہین ہے بلکہ اس لیے ہے کہ ہمین تخم سوزن کی لذت حاصل ہو
سکہ ساقی شراب پلانے مین بڑی فیاضی سے کام لیتا تھا اور اس پر مغرور تھا لیکن مین ایسا قلزم آشام
تھا کہ میری بلانوشی نے ساقی کی نخوت مٹادی اور شیشے کی سب شراب ختم ہوگئی ۱۲ گردن مینا
مین موج مے کی رگ، نخوت کی رعایت سے لایا ہے کیونکہ رگ گردن کو غرور سے تعبیر کیا کرتے ہین
ھہ یعنی ضعف چارون طرف سے قد پر مستولی ہے پھر قد کیونکر اور کدھر جھکے۔
ضعف کے مضمون مین اکثر شعرا نے نہایت نازک اور لطیف مبالغہ آمیز مضامین سے کام
لیا ہے۔ مومن کہتا ہے۔

اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو		ضعف کے باعث کہان نیات سے اُٹھا جائے ہے

اور ایک فارسی شاعر کہتا ہے۔

ز ضعف تن عجیب حال ست بیمار محبت را		کہ نتواند کشید از ناتوانی بار صحت را
عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا	سلہ	گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہون
حلقے ہین چشمہائے کشادہ بسوئے دل	سلہ	ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہون
مین اور صد ہزار نوائے جگر خراش		تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون
ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ	سلہ	ہے ہے خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

سلہ یعنی اگر صرف ایک ادا ہو تو مین اسے اپنی قضا کہون (یعنی اس طور پر اس کی مدح کردن
لیکن یہان تو ہزارون ادائین ہین ۱۲۔ ادا اور قضا مین رعایت لفظی ہے۔
سلہ حلقے یعنی زلف کے حلقے جو چشمہائے کشادہ سے مشابہ ہین۔ اور تار ہائے زلف گویا اُن
آنکھون کی سرمہ سا نگاہین ہین ۱۲
سلہ مجھکو میرے گمان سے شرمندہ نہ کر بھلا مین اور تجھکو بیوفا خیال کردن ۱۲ یعنی مجھ سے ایسا ممکن نہین ہے

مہربان ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت		مین گیا وقت نہین ہون کہ پھر آبھی نہ سکون
ضعف مین طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے		بات کچھ سر تو نہین ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکون
زہر ملتا ہی نہین مجھکو ستمگر ورنہ		کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن ۔ ورنہ ہم چھیڑین گے رکھکر عذر مستی ایک دن

غرّۂ اوج بنائے عالم امکان نہ ہو ۔ [لہ] اس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہان ۔ رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے ۔ بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہین
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

لہ عالم امکان یعنی دنیا۔ "غرّۂ اوج بنا ے عالم امکان نہو" کیونکہ ایک روز اس عالم امکان یعنی دنیا کا بھی فنا ہونا یقینی ہے ۔۱۲

ہم پہ جفا سے ترک وفا کا گمان نہین ۔ [لہ] اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا ۔ [۵۲] پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہین

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز ۔ [۵۳] نا مہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

بوسہ نہین نہ دیجیے دشنام ہی سہی ۔ آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہین

ہرچند جان گدازی قہر و عتاب ہے ۔ [۵۴] ہرچند پشت گرمی تاب و توان نہین

جان مطرب ترانۂ ہل من مزید ہے ۔ [ق] لب پردہ سنج زمزمۂ الامان نہین

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم ۔ دل مین چھری چبھو مژہ گر خونچکان نہین

ہے ننگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو ۔ ہے عار دل نفس اگر آذر فشان نہین

نقصان نہین جنون مین بلا سے ہو گھر خراب ۔ سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہین

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین ۔ گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہین

پاتا ہون اس سے داد کچھ اپنے کلام کی ۔ [۵۵] روح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہین

[۵۶] جان ہے بہائے بوسہ و لے کیون کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جان نہین

لہ یعنی ان کی جفائین صرف چھیڑنے کے لیے ہین امتحان وفا کی غرض سے نہین ہین کیونکہ ہماری وفاداری پر ان کو اس قدر اعتماد ہے کہ ہماری نسبت وہ ترک وفا کا گمان نہین کر سکتے ۔۱۲

۲ہ لطف خاص یعنی پرسش پنہان جو گفتگو سے مستغنی ہو یعنی جو بذریعۂ انداز و اشارت ادا ہو۔۱۲

۳ہ ہم کو ستم عزیز ہے اور وہ ستم کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ کیونکہ ہمین وہی چیز دیتا ہے جس کو ہم عزیز رکھتے ہین ۔۱۲

۴ہ ہر چند اس کا قہر جان گداز ہے اور ہم مین طاقت برداشت نہین۔ اس پر بھی ہم اس کے قہر سے پناہ نہین مانگتے۔ بلکہ عتاب مزید کے خواہان ہین ۔۱۲

۵ہ روح القدس یعنی حضرت جبریل۔ اگرچہ وہ میرے برابر فصیح نہین ہین (معاذ اللہ) تاہم "پاتا ہون اس سے الخ"

۶ہ "ولے کیون کہے ابھی" یعنی ابھی نہ کہے گا نیم جان ہونے کی حالت مین کہے تو کہے جب یہ بہانہ ہو سکے گا کہ بہائے بوسہ جان ہے نہ کہ نیم جان ۔۱۲

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہین		ایک چکر ہے مرے پانون مین زنجیر نہین
شوق اس دشت مین دوڑائے ہے مجھکو کہ جہان	۱ہ	جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہین
حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے	۲ہ	جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہین
رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو	۳ہ	خوش ہون گر نالہ زبونی کش تاثیر نہین
سر کھجاتا ہے جہان زخم سر اچھا ہو جائے	۴ہ	لذت سنگ باندازۂ تقدیر نہین
جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے	۵ہ	کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہین

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

۱ہ "جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہین" یعنی معدوم ہے جس طرح دیدۂ تصویر کی نگاہ معدوم ہوتی ہے یا یہ کہ شوق مجھکو اس دشت مین لیے جاتا ہے جہان ہر شخص مثل تصویر محو حیرت ہو جاتا ہے۔

۲ہ افسوس کرتا ہے کہ "جادۂ راہ فنا جز دم شمشیر نہین" کیونکہ شمشیر دم بھر مین خاتمہ کر دیتی ہے اور لذت آزار کی حسرت رہ جاتی ہے ۔۱۲

۳ہ میرا نالہ تاثیر کا احسان لینے کی ذلت پسند نہین کرتا۔ پس "رنج نومیدی جاوید" ہی گوارا رہے تو خوب ہے ۔۱۲

۴۹ باندازۂ تقریر نہین یعنی بیان سے باہر ہے یا بیان نہین ہوسکتی ۱۲
۵۰ خجالت تقصیر یعنی ارتکاب تصور سے جھجکنا جب کرم یارگستاخی کی اجازت دے اس وقت جھجکنا بہت بڑا قصور ہے۔

ست مردمک دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین	مطلع	ہین جمع سویدا ے دل چشم مین آہین

۱ پتلی کو آنکھ کے دل کا سویدا قرار دیا۔ اور نگاہون کو اس دل کی آہون سے مشابہ کیا ۱۲

بزنگال دیدۂ عاشق سے ہے دیکھا چاہیے	کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن
الفت گل سے غلط ہے دعوے وارستگی	سرو ہے با وصف آزادی گرفتار چمن

عشق تاثیر سے نومید نہین	۱	جان سپاری شجر بید نہین
سلطنت دست بدست آئی ہے	۲	جام مے خاتم جمشید نہین
ہے تجلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پرتو خورشید نہین
راز معشوق نہ رسوا ہو جائے		ورنہ مرجانے مین کچھ بھید نہین
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۴	غم محرومی جاوید نہین

کہتے ہین جیتے ہین امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہین

۱ کہتا ہے کہ عشق تاثیر سے ناامید نہین ہے کیونکہ جانبازی وجان سپاری کچھ شجر بید نہین ہے جسکا کبھی پھل نہ ملے ۱۲ مطلب یہ ہے کہ عشق مین جانبازی وجان فشانی کا اثر کبھی نہ کبھی ضرور ہوگا۔
۲ "سلطنت دست بدست آئی ہے" یعنی جام شراب کی سلطنت جمشید سے رندون کو واسطہ بواسطہ پہونچی ہے "جام مے خاتم جمشید نہین" جو صرف جمشید کے پاس رہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہو۔
۳ جس طرح ذرے مین پرتو خورشید نظر آتا ہے اسی طرح تمام موجودات عالم تیری ذات کے مظہر ہین ۱۲
۴ ہم کو محرومی جاوید کا غم نہین ہے کیونکہ یہ طرب سے بہتر ہے جس مین گردش رنگ کا خوف لگا رہتا ہے یعنی چونکہ راحت کے بعد رنج نہایت گران گذرتا ہے اس لحاظ سے طرب سے محرومی جاوید ہی بہتر ہے ۱۲ یا یہ کہ گردش رنگ طرب سے اس لیے ڈر ہے کہ محرومی کی حالت مین طرب کی جھلک سے رنج محرومی

کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ ۱۲

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں ۔۔۔ [۱] خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے ۔۔۔ سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم ۔۔۔ [۲] قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محوِ آئینہ داری ۔۔۔ [۳] تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے ۔۔۔ [۴] کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

[۱] خیاباں خیاباں بمعنی کثرت۔ ۱۲
[۲] اس کے ایک معنے تو یہی ہیں کہ تیرے سروِ قامت سے فتنۂ قیامت کمتر ہے۔ اور دوسرے یہ معنی بھی ہیں کہ تیرا قد اسی میں سے بنایا گیا ہے' اس لیے وہ ایک قدِ آدم کم ہو گیا ہے (یادگارِ غالب) یا یہ کہ فتنۂ قیامت و فتنۂ قامت دونوں موجود فی التصور ہیں اور اس لحاظ سے برابر ہیں لیکن باعتبارِ وجودِ ظاہری سروِ قامتِ یار سے فتنۂ قیامت بقدرِ یک قدِ آدم کم ہے۔
[۳] تماشا کر۔ ترجمۂ تماشا کن' یعنی دیکھ۔ دیوانِ غالب کے قدیم نسخے میں "تماشا کہ" لکھا ہے اس حالت میں بھی محاورۂ فارسی کے رو سے "تماشا" سے "تماشا کر" ہی کا مفہوم پیدا ہوگا۔
[۴] نالۂ دل کو شب رو یا مسافرِ شب قرار دیا۔ اور داغِ دل کو اس کا نقشِ قدم۔ ۱۲

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں ۔۔۔ [۱] کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں ۔۔۔ [۲] شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر ۔۔۔ آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں ۔۔۔ [۳] میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام ۔۔۔ ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
جو منکرِ وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے ۔۔۔ [۴] کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں
میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے ۔۔۔ [۵] ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے | جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے | ۷ | ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا | لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے | جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے | جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

(۵۱)

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں | یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند | ✓ | گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

جان کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع | ۸ | گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے | نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے | ۷ | جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے | ۹ | حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر | یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی | ۱۰ | ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز | پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود | ۱۱ | ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

۱۲ | غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں

۱۰ آگ چونکہ باعتبار افروختگی خوے یار سے مشابہ ہے اسلیے صرف اس تشابہ کی وجہ سے مجھکو عذاب نار میں راحت ملتی ہے ۔۱۲

۱۱ شبہاے ہجر کی درازی کا ذکر کرتا ہے کہ اگر ان کو بھی حساب میں رکھوں تو معلوم نہیں کہ میرا زمانۂ حیات کس قدر طویل ثابت ہو ۔۱۲

۳ میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں" یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی جانب سے کسی تحریر کے آنے کی امید ہوتی تو دوسرے خط کے لکھنے کے لیے اس کا انتظار کیا جاتا۔ لیکن چونکہ مجھکو خوب معلوم ہے کہ وہ کچھ نہ لکھیں گے۔ اس لیے جواب خط کا انتظار بیکار ہے قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں"۔

۴ مطلب یہ ہے کہ محبوب دشمن وفا ہے اُس پر کسی کا فریب محبت کارگر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میری بدگمانی فضول ہے کہ کہیں اُس پر دشمن یعنی رقیب کا فریب نہ چل گیا ہو۔ ۱۲

۵ وصل میں مجھکو رقیب کے آجانے کا کھٹکا لگا ہوا ہے یہی سبب میرے اضطراب کا ہے مگر تم کو یہ وہم ہے کہ میں کسی دوسرے محبوب سے چھپ کر آیا ہوں اسی لیے مضطرب ہوں۔ ۱۲

۶ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے "تیوری چڑھی ہوئی ہے جو اندر نقاب کے" لیکن مرزا کے وقت کے مطبوعہ نسخے میں "ہے تیوری الخ" ہے۔

۷ تعجب کرتا ہے کہ وہ آواز تو جان بخش ہے پھر اُس کا یہ اثر کیسا ہے۔ ۱۲

۸ غیر سے یہاں ماسوی اللہ مراد ہے جو صوفیہ کے نزدیک معدوم ہے کیونکہ وہ وجود واجب کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں کہتا ہے جس قدر ماسوا کے وہم سے رات دن پیچ و تاب میں رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت، یعنی وجود واجب سے بُعد ہے (یادگار غالب)

۹ کیونکہ مشاہدہ شاہد و مشہود کے وجود کو علیحدہ علیحدہ چاہتا ہے۔ ۱۲

۱۰ اُن کا حجاب میں رہنا ہی ان کی بے حجابی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ پردے میں رہ کر وہ اپنے سے نہیں شرماتے حالانکہ شرم و حیا ایک ادائے ناز ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ خود اپنی ذات سے بھی حیا آئے۔ ۱۲ یا یہ مطلب ہوگا کہ ان کا حجاب کرنا بھی ایک طرح کی بے حجابی ہے۔ ؎

چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی + وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری (حسرت موہانی)

۱۱ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے اس کو شہود کہتے ہیں اور غیب الغیب سے مراد مرتبۂ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصر و بصیرت سے وراء الوراء ہے۔ کہتا ہے جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیب الغیب ہے اور اس کو غلطی سے شہود سمجھنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ میں جاگتا ہوں۔ پس گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے (یادگار غالب)

سلہ خدا کو دوست اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ندیم دوست قرار دیا ہے ۔۱۲

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں — مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں — ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے — کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے — یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ — سہ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار — کیا پوجتا ہوں اس بت بیداد گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوئے یار — جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا — سلہ — سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

سلہ یعنی اہل دہر متاع ہنر کے قدر داں نہیں ہیں اور میں جو اپنے اوپر قیاس کر کے اہل دنیا کو متاع ہنر کا قدر داں سمجھ رہا ہوں یہ غلطی ہے ۔

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں — سلہ — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وعدۂ سیر گلستاں ہے خوشا طالع شوق — مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم — سلہ — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن — سہ — ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی — سلہ — عشق پر عربدہ کی گوں تن رنجور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں — سہ — کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو — سلہ — تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دُردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ — وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب — میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

۱ غیر میرا ذکر بہ بدی کر رہا ہے حالانکہ یار کو برائی کے ساتھ بھی میرا ذکر سننا منظور نہیں ہے اس لیے غیر کی بات" الخ۔

۲ غالب دنیا کے موہوم ہونے کو بہ غلو بیان کرتا ہے کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے اور اس سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جس طرح شاہد کی کمر نہیں ہوتی اسی طرح سے وجود عالم بھی موہوم ہے لیکن ہم کو یہ بھی منظور نہیں ہے۔ کیونکہ جب کہتے ہیں کہ "عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے" تو اگرچہ اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ عالم معدوم ہے لیکن "ہے" کا لفظ ہم ایک شے معدوم کے ساتھ کسی طرح نہیں استعمال کرنا چاہتے ۔ ۱۲

۳ شورش ہنگامۂ عشق کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن تن رنجور میں چونکہ ذرا بھی طاقت نہیں باقی ہے اس لیے ذوق خرابی کو مخاطب کرکے اظہار حسرت کرتا ہے ۔ ۱۲

۴ یعنی اگر تو لطف نہیں کرتا تو ظلم ہی کر۔ بہرحال تغافل نہ کر۔
"تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں" کسی رنگ سے یعنی تیرا شیوۂ ستم سے تغافل بھی ہم کو پسند نہیں ہے

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں	۱	ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں
عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب		ہم کو تسلیم نکونامی فرہاد نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم		دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں
اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب		لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہیں
وائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا	۲	جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں
رنگ تمکین گل و لالہ پریشان کیوں ہے	۳	گر چراغان سر رہگذر باد نہیں
سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچین	۴	مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں
نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا	۵	دی ہے جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت		یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

۱ نالے کی نسبت کہتا ہے کہ اس سے بیداد یار کی شکایت منظور نہیں ہے بلکہ تقاضائے جفا

حسن طلب ہے - جب وہ میری فریاد سُنے تو اُسے مجھ پر ظلم کرنا پھر یاد آجائے -

سلہ ہم اپنی خوے تسلیم و وفا کے سبب سے فریاد نہین کرتے لیکن وہ یہی سمجھتا ہے کہ ہماری خاموشی بیطاقتی ومجبوری کے باعث سے ہے پس واے بر حال تسلیم و وفا جو اپنی ضبط فریاد کی داد سے بھی محروم ہین ۱۲

سلہ اگر گل و لالہ ”چراغان سر رہگذر باد نہین“ تو ان کا رنگ تمکین پریشان کیون ہے کہ دم بھر مین مٹ جاتا ہے ۱۲

سلہ ”مژدہ اے مرغ کہ گلزار مین صیاد نہین“ جو مرغ کو قفس مین بند کردے گا ۱۲

سلہ وہ ہر بات پر ”نہین“ کرتا ہے لیکن اس ”نہین“ کہنے سے اُس کے وجود دہن کا ثبوت ملتا ہے ۱۲

دونون جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائین تو ناچار کیا کرین

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کرین

ہو گئی ہے غیر کی شیرین بیانی کارگر
عشق کا اس کو گمان ہم بے زبانون پر نہین

قیامت ہے کہ سُن لیلی کا دشت قیس مین آنا
تعجب سے وہ بولا یون بھی ہوتا ہے زمانے مین

دل نازک پہ اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر سرگرم اُس کافر کو الفت آزمانے مین

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یان

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردون ہے چراغ رہگذار باد یان سلہ

سلہ زوال آمادہ - آمادۂ زوال - مہر گردون مثل چراغ رہگذار باد ہے یعنی آمادۂ زوال ہے ۱۲

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین

وہ آئے گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین ✓

نظر لگے نہ کہین اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھین
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہین سلہ

سلہ اوج طالع لعل و گہر - کیونکہ تیری کلاہ مین لگے ہوے ہین ۱۲

ین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین
شب فراق سے روز جزا زیاد نہین سلہ

ی کہے کہ شب مہ مین کیا بُرائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہین

اؤن سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہین
جو جاؤن وان سے کہین کو تو خیر باد نہین

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں مَیں تو کہتے ہیں	؎	کہ آج بزم مین کچھ فتنہ و فساد نہیں
علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب		گدائے کوچۂ مے خانہ نامراد نہیں
جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام		دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم ان کے وعدے کا ذکر اُن سے کیون کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہیں

؎ اس شعر کی ترکیب لفظی خوب ہے - کہتا ہے کہ قیامت کا مجھے اعتقاد ہے لیکن - ساتھ ہی اس کے یہ بھی یقین ہے کہ وہ شب فراق سے زیادہ نہین ہے - ۱۲

؎ یعنی مجھکو وہ فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہین -

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہین		ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے	؎	ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہین
تیری فرصت کے مقابل اے عمر		برق کو پا بحنا باندھتے ہین
قید ہستی سے رہائی معلوم	؎	اشک کو بے سر و پا باندھتے ہین
نشۂ رنگ سے ہے واشد گل	؎	مست کب بند قبا باندھتے ہین
غلطیہائے مضامین مت پوچھ		لوگ نالے کو رسا باندھتے ہین
اہل تدبیر کی واماندگیان		آبلون پر بھی حنا باندھتے ہین

سادہ پر کار ہین خوبان غالب
ہم سے پیمان وفا باندھتے ہین

؎ ہم جو آہ کرتے ہین یہ گویا اپنی ہوا باندھتے ہین ورنہ اثر آہ کی حقیقت معلوم ہے -

؎ باندھتے ہین" یعنی شعرا مضمون شعر مین - چونکہ باندھنے کے معنی قید کرنے کے بھی ہین اس لیے ایک پر لطف مضمون پیدا ہوگیا ہے -

؎ مصرعۂ ثانی مصرعۂ اول کی توضیح کرتا ہے - یعنی پھول کی واشد (کھلنا) نشۂ رنگ کی مستی کی وجہ سے ہے - مستی کے اثر سے اس نے اپنے بند قبا کھول دیے ہین - ۱۲

؎ یعنی ظاہر مین اظہار وفا کرتے ہین مگر دل مین فریب ہے -

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد / وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہین ہون مین / خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہین ہون مین

کیون گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل / انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون مین

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے / لوح جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین

حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے / آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے / لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ / رتبے مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین

کرتے ہین مجھکو منع قدمبوس کس لیے / کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

۱؎ دائم پڑا ہوا الخ" یعنی مثل تیرے سنگ در کے ۱۲

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین / خاک مین کیا صورتین ہون گی کہ پنہان ہوگئین

یاد تھین ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیان / لیکن اب نقش و نگار طاق نسیان ہوگئین

تھین بنات النعش گردون دن کو پردے مین نہان / شب کو ان کے جی مین کیا آئی کہ عریان ہوگئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر / لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہوگئین (یعنی [illegible] ۱۲)

سب رقیبون سے ہون ناخوش پر زنان مصر سے / ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہوگئین

جوئے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق / مین یہ سمجھون گا کہ شمعین دو فروزان ہوگئین

ان پریزادون سے لین گے خلد مین ہم انتقام / قدرت حق سے یہی حورین اگر وان ہوگئین

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتین اسکی ہین / تیری زلفین جس کے بازو پر پریشان ہوگئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا / بلبلین سن کر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دل کے پار / جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہوگئین

بسکہ روکا مین نے اور سینے مین ابھرین پے بہ پے / میری آہین بخیۂ چاک گریبان ہوگئین

وان گیا بھی مین تو ان کی گالیون کا کیا جواب / یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہوگئین

جان فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ مین جام آگیا		سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگِ جان ہوگئین
ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم	۵۵	ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہوگئین
رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج		مشکلین مجھپر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان
دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہوگئین

۵۱ "نقش و نگار طاق نسیان ہوگئین" یعنی فراموش ہوگئین ۱۲- اس شعر کے الفاظ نہایت لطیف رنگین ہین اور یہ پوری غزل ریختے کا اعلیٰ درجے کا نمونہ ہے-

۵۲ کیونکہ زنان مصر نے اس کی پسند کی مطابقت کی اور خود بھی محو حسن یوسفی ہوکر زلیخا کو عشق حضرت یوسف مین معذور رکھا-۱۲

۵۳ "جو مژگان ہوگئین" یعنی کوتاہ ہوگئین اور شرم کی وجہ سے میری جانب بے محابا نہین اُٹھتین غالب کہتا ہے کہ اس کوتاہی پر بھی وہ نگاہین کیون میرے دل کے پار ہوئی جاتی ہین ۱۲-

۵۴ اس شعر مین جو اصل خوبی اور لطافت ہے وہ یہ ہے کہ گالیون کے جواب مین دعائین دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا ظاہر کرتا ہے کہ گویا اس کو ہر شخص ضروری جانتا ہے- کیونکہ سب سے حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ بتاؤ ان کی گالیون کا کیا جواب دون گا جب کہ دعائین سب نبڑ چکین- (یادگار غالب)

۵۵ جب ترک رسوم مذہب قرار پایا تو حقیقی ملتین مٹتی جاتی ہین وہ گویا اجزاے ایمان بنتی جاتی ہین ۱۲-

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین		یعنی ہماری جیب مین اک تار بھی نہین
دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے		دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین
ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہے	۵۶	دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہین
بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہے اور یہان		طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین
شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبال دوش		صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین
گنجایش عداوت اغیار اک طرف		یان دل مین ضعف سے ہوس یار بھی نہین
ڈر نالہ ہاے زار سے میرے، خدا کو مان		آخر نواے مرغ گرفتار بھی نہین

دل مین ہے یار کی صف مژگان سے روکشی [۲] حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہین
اس سادگی پہ کون نہ مرجاے اے خدا [۱] لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا
دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہین

[۱] تحصیل دشوار آسان نہین ہوتی مگر ممکن ہوتی ہے - اور تحصیل محال سرے سے ممکن ہی نہین ہوتی شاعر کہتا ہے کہ ملنا تیرا آسان نہ ہو یعنی دشوار رہتا ہم سہل ہے مگر مشکل تو یہ ہے کہ دشوار بھی نہین محال ہے جس مین میرا کسی طرح قابو نہین محض مجبور ہون - ۱۲ - یا کہ تیرا ملنا اگر سب کے لیے مشکل ہو تو مجھکو بھی صبر آجاے - مشکل یہ ہے کہ اغیار کے لیے آسان ہے میرے ہی لیے دشوار ہے -

[۲] روکشی مقابلہ - ۱۲

نہین ہے زخم کوئی بخیے کے درخور مرے تن مین [۱] ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن مین
ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی — کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن مین
ودیعت خانۂ بیداد کاوشہاے مژگان ہون [۲] نگین نام شاہد ہے مرے ہر قطرہ خون تن مین
بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی — شب مہ ہو جو رکھدین پنبہ دیوارون کے روزن مین
نکوہش مانع بے ربطی شور جنون آئی [۳] ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین
ہوے اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے [۴] پرافشان جوہر آئینے مین مثل ذرہ روزن مین
نہ جانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے — جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین
ہزارون دل دیے جوش جنون عشق نے مجھکو — سیہ ہوکر سویدا ہوگیا ہر قطرہ خون تن مین

[۵] اسد زندانی تاثیر الفت ہاے خوبان ہون
خم دست نوازش ہوگیا ہے طوق گردن مین

[۱] رشتۂ سوزن کو تار اشک یاس کہا - سوزن کو یاس اس لیے ہوئی کہ کوئی زخم بخیے کے قابل نظر نہ آیا -

[۲] ہر قطرۂ خون نگین ہے جس پر معشوق کا نام کھدا ہوا ہے اور مین گویا ودیعت خانہ بیداد کاوشہاے مژگان ہون

[۳] نکوہش میرے شور جنون کی بے ربطی سے مانع آئی یعنی خندۂ احباب کے خیال سے مین جیب و دامن کے

چاک کرنے سے باز رہا ہیں گویا خندۂ احباب بخیۂ جیب و دامن ٹھیرا۔

؎ تمثال یعنی شبیہ و صورت۔ پرافشان بمعنی پرزن۔ (نثر) اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے آئینے مین جوہر (اس طرح) پرافشان ہوے (جس طرح) ذرے روزن مین۔ ۱۲

؎ یعنی محبوب کے لطف و عنایت نے مجھکو گرفتار محبت کر رکھا ہے۔ ۱۲

مرے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہین
سواے خون جگر سو جگر مین خاک نہین

مگر غبار ہوے پر ہوا اُڑا لے جائے
وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گذر مین خاک نہین

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا [سلہ]
اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین مے کش
شراب خانے کے دیوار و در مین خاک نہین

ہوا ہون عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سواے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر مین خاک نہین

سلہ "مجھی کو رحم آتا" یعنی اپنی حالت پر رحم آتا اور مین نالہ کشی سے باز آتا۔ ۱۲

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون
روئین گے ہم ہزار بار کوئی ہمین ستائے کیون

دیر نہین حرم نہین در نہین آستان نہین
بیٹھے ہین رہگذر پہ ہم غیر ہمین اُٹھائے کیون

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیم روز [سلہ]
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے مین منہ چھپائے کیون

دشنۂ غمزہ جان ستان ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیون

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

حسن اور اس پہ حسن ظن رہگئی بوالہوس کی شرم [سلہ]
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیون

وان وہ غرور عز و ناز یان یہ حجاب پاس وضع
راہ مین ہم ملین کہان بزم مین وہ بلائے کیون

ہان وہ نہین خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اُسکی گلی مین جائے کیون

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین
روئیے زار زار کیا کیجیے ہاے ہاے کیون

۱ جمال نظارہ سوز وہ حسن جس کا نظارہ نہ ہو سکے ۔۱۲
۲ رہ گئی بوالہوس کی شرم کیونکہ اگر محبوب کو اپنی عفت پر اعتماد اور غیر کی نسبت حسن ظن نہوتا اور
وہ غیر کا امتحان کرتا تو ساری حقیقت کھل جاتی ۔۱۲

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یون		بوسے کو پوچھتا ہون مین منہ سے مجھے بتا کہ یون
پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے		اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یون
رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے		آئے وہ یان خدا کرے پر نکرے خدا کہ یون
غیر سے رات کیا بنی، یہ جو کہا تو دیکھیے		سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون
بزم مین اس کے روبرو کیون نہ خموش بیٹھیے	۱	اُس کی تو خامشی مین بھی ہے یہی مدعا کہ یون
مین نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی	۲	سن کے ستم ظریف نے مجھکو اُٹھا دیا کہ یون
مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کس طرح		دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون
کب مجھے کوے یار مین رہنے کی وضع یاد تھی	۳	آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یون
گر ترے دل مین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال	۴	موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یون

۱ اس کی خامشی کا بھی یہی مطلب ہے کہ تو بھی خموش نہ بیٹھ ۔۱۲
۲ یہ شعر لفظ ستم ظریف کے مفہوم کی تشریح کرتا ہے ۔۱۲
۳ حیرت نقش پا نے مجھکو کوے یار مین رہنے کی وضع بتا دی یعنی اپنی اُفتادگی و حیرانی کی مثال دیکر
۴ وصل سے شوق کم ہو جاتا ہے ۔ دیکھ کہ موج بحر بھی یہی بات بزبان حال کہ رہی ہے ۔ موج کی حرکت
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصل بحر سے علیحدہ ہو کر کنارے پر پہنچنے کے لیے دست و پا مار رہی ہے ۔۱۲

ردیف "و"

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو	۱	کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی	سلہ	بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو
اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آجاوے		کفِ ہر خاک گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

سلہ انسان کے دل میں حسد کا مادہ اسی وقت تک زیادہ جوشن زن رہتا ہے جب تک کہ اس کی نظر وسیع نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر حسد اور افسردگیِ دل کا علاج یہ بتایا ہے کہ گرمِ تماشا ہو کر وسعتِ نظر حاصل کرے۔

سلہ بھروں یعنی آلودہ کروں۔ جب آبِ ہفت دریا سے ان کا ایک گوشہ تر ہو تو کاملِ دامنی کے لیے کیا کچھ درکار ہو گا

کعبے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں	بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو
طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ	دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے	ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

(۹۱)

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو		کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا		ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلا	سلہ	ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا	سلہ	یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ		اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال		ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال	۵۲	حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں	۵۳	اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی		عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۵۱ "ہر درد کی دوا موجود ہے" غالب اس مقولے کے خلاف کہتا ہے کہ اگر یہ بالکل صحیح ہوتا تو لازم

آتا ہے کہ غمِ الفت کا بھی علاج موجود ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اور دردِ عشق لا دوا ہے -

سٹہ دوسرون کا اثر قبول کرنا اور احسان لینا زبونی ہمت کی دلیل ہے اسلیے دہر سے عبرت بھی حاصل نہ کرنا چاہیے -

سٹہ اگر تو نے ترک تعلقات کرکے آزادی حاصل کی ہے تو اس کے یہ معنی نہین ہین کہ تو وارستگی کا عذر رکھکر لوگون سے وحشت کرنے لگے اور اگر کرتا ہی ہے تو اپنے سے وحشت کر نہ کہ دوسرون سے -۱۲

سلہ قفس مین ہون گر اچھا بھی نہ جانین میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

سٹہ نہین گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوے دوست دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے مین جس نے خون چکان مژگانِ سوزن کو

سٹہ خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین
کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوے خون مین تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤن کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کان مین جنبشِ جوہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آئے
سمجھتا ہون کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو

سٹہ وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے مین تو کعبے مین گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت مین جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہان تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یون بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

سخن کیا کہہ نہین سکتے کہ جویا ہون جواہر کے
جگر کیا ہم نہین رکھتے کہ کھودین جاکے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہین غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

سلہ مرا ہونا برا کیا ہے الخ" کیونکہ مین قفس مین ہون اور لطف چمن مین ان کا حصہ دار نہین بن سکتا -۱۲

سٹہ یہ مانا کہ محبوب کے ساتھ رقیب کی ہمدمی آسان نہین ہے لیکن میرے لیے یہی رشک کیا کم ہے کہ مین دوست کا آرزومند ہون اور غیر بھی ہے -

سٹہ "جانان کا دامن" اگرچہ صحیح ترجمہ ہے "دامان جانان" کا لیکن فصیح نہین ہے - تعجب ہے کہ غالب نے اس کا استعمال جائز رکھا -۱۲

سٹہ بت خانے مین مرنا برہمن کی استواری عہد اور وفاداری کی دلیل ہے اور چونکہ یہی اصل

ایمان ہے اس لیے اُسے کہین مین دفن کرنا چاہیے ۔۱۲

دھوتا ہون جب مین پینے کو اُس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو
ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہوکر اسیر داہتے ہین راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو مین پھرا ہون جو دور دور
تن سے سوا فگار ہین اس خستہ تن کے پانو

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہین خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

ہے جوش گل بہار مین یان تک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوے اُلجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

شب کو کسی کے خواب مین آیا نہ ہو کہین
دکھتے ہین آج اُس بت نازک بدن کے پانو

غالب مرے کلام مین کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہون دھو کے خسرو شیرین سخن کے پانو

وان اس کو ہول دل ہے تو یان مین ہون شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہین ذوق ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ[1] دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

[1] تاکہ یعنی جب تک کہ۔ (شرح) اس کا ذوق ستم تو دیکھیے کہ جب تک دیدۂ نخچیر کا آئینہ نہو وہ اپنے کو نہین دیکھتا یعنی اپنی صورت آئینہ دیدۂ نخچیر کے سوا اور کسی آئینے مین نہین دیکھتا۔

وان پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
صدرہ[1] آہنگ زمین بوس قدم ہے ہم کو

دل کو مین اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن
تیرے کوچے سے کہان طاقت رم ہے ہم کو

رشک ہمطرحی و درد اثر بانگ حزین
نالۂ مرغ سحر تیغ دودم ہے ہم کو

جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو[2]

سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو[3]

دل کے خون کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو[4]

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہین کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع سلسلۂ شوق نہین ہے یہ شہر — عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہین ایک توقع غالب
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

سلہ صد رہ یعنی سو بار - مطلب یہ کہ ہمارا غش بہانۂ زمین بوسی قدم ہے - اپنے قدمون کی اس درجہ عزت اس لحاظ سے مناسب ہے کہ انھین کے ذریعے سے کوچۂ محبوب مین آنا ہوا - ۱۲

سلہ جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو" کیونکہ جان کر تغافل کرنا بھی ایک قسم کا التفات پنہان ہے - ۱۲

سلہ ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو" کہ تیرا سر ضرور اڑا دین گے - لطف مضمون اس شعر کا قابل غور ہے - ۱۲

سلہ "دل کے خون کرنے کی کیا وجہ" یہی کہ بغیر خونفشانی کے آنکھین بے رونق تھین اور ہم کو یہ امر گوارا نہ تھا -

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو — مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

بچتے نہین مواخذۂ روز حشر سے — قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو سلہ

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناشناس ہین — مانا کہ تم بشر نہین خورشید و ماہ ہو

ابھرا ہوا نقاب مین ہے اُن کی ایک تار — مرتا ہون مین کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو سلہ

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

سنتے ہین جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہین
دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

سلہ مواخذہ یعنی پرسش - میرے قتل کی بابت بروز حشر تم سے پرسش ضرور ہوگی - یعنی اگر رقیب قاتل قرار پائے گا اس وقت بھی تم سے بطور گواہ اس کی پرسش ضرور ہوگی - پس تم کسی طرح پرسش روز حشر سے بچ نہین سکتے -

سلہ کسی کی یعنی کسی نظارگی کی - مرتا ہون یعنی رشک و بدگمانی کے باعث -

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو — کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو سلہ

ہمارے ذہن مین اس فکر کا ہے نام وصال — کہ گر نہو تو کہان جائین ہو تو کیونکر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

تمہین کہو کہ گذارا صنم پرستون کا
بتون کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر مین ہون ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمین پھر اُن سے امید اور اُنھین ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھین نہ وو تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمین خط پر گمان تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھکر کہ مجھکو قرار
یہ نیش ہو رگ جان مین فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنون نہین غالب ولے بقول حضور
فراق یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

سلہ "دو کہے سے" یعنی گفتگو ہونے پر بھی کچھ نہ ہوا۔ ۱۲

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغان کیون ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے مین تو پھر منہ مین زبان کیون ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑین گے ہم اپنی وضع کیون چھوڑین
سبک سر بنکے کیا پوچھین کہ ہم سے سرگران کیون ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازدان کیون ہو

وفا کیسی کہان کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیون ہو

قفس مین مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

سلہ یہ کہہ سکتے ہو ہم دل مین نہین ہین پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل مین تمھین تم ہو تو آنکھون سے نہان کیون ہو

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیان کیون ہو

سلہ یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوے تم دوست جس کے دشمن اُسکا آسمان کیون ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہین
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحان کیون ہو

سلہ کہا تم نے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنون سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان کیون ہو

سلہ تم مجھے یہ تو کہہ نہین سکتے ہو کہ ہم تیرے دل مین نہین ہین لیکن یہ بتاؤ جب میرے دل مین تمھین

تم ہو تو پھر تم میری نظروں سے کیوں نہاں ہو۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے ۔

۲؎ یعنی تمھاری دوستی ہی کیا کم فتنہ ہے ۱۲

۳؎ اس شعر کی ترکیب نہایت دل پذیر ہے ۔ اور یہ پوری غزل حسن کلام اور لطف سخن کا نمونہ ہے ۱۲

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو	۴؎	ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے		کوئی ہمسایہ نہو اور پاسباں کوئی نہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار		اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ردیف ہاے ہوز

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ	۱؎	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ	۲؎	جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ
ناچار بے کسی کی بھی حسرت اُٹھائیے	۳؎	دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

۱؎ آفتاب سے لے کر ذرے تک ہر شے مانند دل ہے اور دل بصورت آئینہ ہے پس گویا طوطی کو ہر سمت سے آئینہ مقابل نظر آتا ہے یعنی آئینہ خانے کی طرح ہر طرف اپنی ہی شبیہ نظر آتی ہے ۔

۲؎ ”ہے سبزہ زار الخ“ یعنی بر بناے گریہ و ویرانی مصداق ”اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر“

۳؎ ستم ہمرہاں اس لحاظ سے کہا کہ ان کی موجودگی کے باعث سے بے کسی کی بھی حسرت اُٹھانا پڑتی ہے کیونکہ جب لوگ ہمراہ ہیں تو ہم اپنے کو بے کس بھی نہیں کہہ سکتے ۔ ۱۲

ردیف یاے تحتانی

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اُٹھائیے	۱؎	طاقت کہاں کہ دید کا احسان اُٹھائیے
ہے سنگ پر برات معاشِ جنونِ عشق	۲؎	یعنی ہنوز منت طفلاں اُٹھائیے
دیوار بار منت مزدور سے ہے خم		اے خانماں خراب نہ احسان اُٹھائیے

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے	۳	یا پردۂ تبسم پنہاں اُٹھائیے

۱ "طاقت کہاں کہ دید کا احسان اُٹھائیے" کیونکہ آنکھ اُٹھاتے ہی سیکڑون جلوہ ہاے پُرپیش نظر ہو جائین گے جن کے دیکھنے کی ہم مین تاب نہین ہے ۔۱۲

۲ برات بمعنی اصطلاحی "کاغذ نوشتہ کہ بموجب آن از خزانہ زر بدست آید" ۱۲ یعنی چونکہ نشانۂ سنگ طفلان ہونا لوازمات دیوانگی سے ہے، اس لیے گویا جنون مین بھی منت کشی کا جھگڑا باقی رہا۔

۳ اگر آپ اپنے تبسم پنہان کا پردہ نہین اُٹھاتے ہین تو میرے زخم رشک کو بھی رسوا نہ کیجیے۔ کیونکہ غیر کے ساتھ آپ کے تبسم ہاے پنہان کے ہوتے ہوے میرا رشک بجا ہے۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے	۱	بھون پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے
عاشق ہوئے ہین آپ بھی اک اور شخص پر		آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
سیکھے ہین مہ رخون کے لیے ہم مصوری		تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو		اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
ہے رنگ لالہ و گل و نسرین جدا جدا		ہر رنگ مین بہار کا اثبات چاہیے
سر پاے خم پہ چاہیے ہنگام بے خودی		رو سو سے قبلہ وقت مناجات چاہیے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات		عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

۲	نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

۱ آنکھ کو خرابات اور ابرو کو طاق مسجد سے مشابہ کیا ہے لیکن بھون کا لفظ بہت ثقیل ہے ۔۱۲

۲ خاموشی کو اصل اور تمام باتون کو فروع قرار دیا "نکلے ہے جو بات چاہیے" ذو معنی فقرہ ہے ایک تو یہ کہ خاموشی سے ہر بات نکلتی ہے کیونکہ خاموشی کو فکر سے تعلق ہے اور اس لیے وہ اصل ہے تمام باتون کی دوسرے یہ کہ جو بات چاہیے وہ خاموشی ہی سے نکلتی ہے۔ یہان "بات نکلتی ہے" بمعنی محاورۂ مشہور لیا جائے گا۔ مثلاً کہتے ہین کہ "فلان کی دیوانگی مین بھی ایک بات نکلتی ہے" ۔۱۲

بساط عجز مین تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی		سو رہتا ہے با انداز چکیدن سرنگون وہ بھی
رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے		تکلف برطرف تھا ایک انداز جنون وہ بھی

خیال مرگ کب تسکین دل آزردہ کو بخشے
(۱) مرے دام تمنا مین ہے اک صید زبون وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعث افزایش دردِ درون وہ بھی

نہ اتنا برّشِ تیغ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریاے بیتابی مین ہے اک موج خون وہ بھی

مے عشرت کی خواہش ساقی گردون سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگون وہ بھی

مرے دل مین ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اس سے مین یہ بھی کہون وہ بھی

(۱) یعنی منجملہ اور تمناؤن کے (جو درجے مین تمنائے مرگ سے کہین بڑھکر ہین) ایک خواہش مرگ بھی ہے پس ظاہر ہے کہ خیال مرگ سے دل آزردہ کو کیا تسکین ہو سکتی ہے - ۱۲

ہے بزم بتان مین سخن آزردہ لبون سے
(۱) تنگ آ گئے ہین ہم ایسے خوشامدطلبون سے

ہے دورِ قدح وجہ پریشانی صہبا
یک بار لگا دو خُم مے میرے لبون سے

رندان درِ مے کدہ گستاخ ہین زاہد
(۲) زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبون سے

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
(۳) ہر چند مری جان کو تھا ربط لبون سے

(۱) بتان خوشامدطلب سے ہم ایسے تنگ آ گئے ہین کہ سخن لبون سے آزردہ ہے یعنی بات کرنے کو جی نہین چاہتا - ۱۲

(۲) طرف ہونا یعنی مُنہ لگنا - یہ پُرانا محاورہ ہے جواب متروک ہے - ۱۲

(۳) "جاتی رہی" یعنی جان جاتی رہی - اگرچہ اس کو لبون سے بہت کچھ ربط تھا - ۱۲ مطلب یہ ہے کہ میری جان لبون ہی پر رہا کرتی تھی اس لیے اس کو لبون سے محبت ہو گئی تھی لیکن بیدادِ وفا نے آخرکار دونون کو جدا کر دیا -

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سُن لیتے ہین گو ذکر ہمارا نہین کرتے

غالب ترا احوال سنا دین گے ہم ان کو
وہ سُن کے بُلا لین یہ اجارا نہین کرتے

گھر مین تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی
(۱) فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

کھُلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب
(۲) قسم کھائی ہے اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

لپٹنا پرنیان مین شعلۂ آتش کا آسان ہے
وَلے مشکل ہے حکمت دل مین سوزِ غم چھپانے کی

انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیرِ گل کو، دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

لکدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالبؔ
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

۱؎ فلک ستم گر مشہور ہے اور تو بھی جفا کار ہے۔ اس لیے آسمان کو دیکھ کر تو یاد آ جاتا ہے۔

۲؎ وہ میرے خط کو جلا دیا کرتا تھا اور اس طرح پر میرے سوزِ غم کا حال اس پر ظاہر ہو جاتا تھا افسوس کہ اب اس نے خط کا جلانا بھی موقوف کر دیا۔ ۱۲

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
۱؎ دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
۲؎ میں بھی جلے ہووں میں ہوں داغِ ناتمامی

۱؎ ڈوبی اسامی، وہ کاشتکار جس سے لگان وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ دل کو ڈوبی اسامی اس لیے کہا کہ جوشِ گریہ سے کسی فائدے کی امید نہیں معلوم ہوتی۔

۲؎ ہوں داغِ ناتمامی۔ یعنی اپنے نقص کی بنا پر داغ بدل ہوں۔ ۱۲

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ
۱؎ غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

کی اس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
۲؎ آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
۳؎ فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
۴؎ کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

۵؎ ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

۱؎ میرا شیشہ لبریز شراب ہونے کے سبب سے سرخ نہیں ہے بلکہ ضربِ سنگ نے اسے زخمی کر دیا ہے۔ ۱۲

لہ اہل ہوس کا سینہ چونکہ آتش شوق سے خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو ٹھنڈے مکان سے تعبیر کیا۔ ۱۲

لہ کشور ہندوستان کی فارسی ترکیب مین اعلان نون غالب کے وقت تک جائز تھا اب ناجائز ہے۔

لہ غم سے جو داغ پیدا ہوا تھا وہ جگر کو کھا گیا۔ اب کسی کو اس بات کا یقین نہین آتا ہے کہ یہ داغ اُسی جگر کی نشانی ہے۔ ۱۲

لہ مضمون اس شعر کا خوب ہے لیکن مصرعہ ثانی مین "وہ" یا اس کے کسی ہم معنی لفظ کے بغیر فصاحت نہین ہے کہتا ہے کہ ہم اس کے ستم سے بھی خوش ہین اس لیے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسے ہماری وفاداری پر اعتماد ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم کسی حال مین ترک محبت نہ کرین گے۔ ۱۲

درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل مین گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیون کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

کیون مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہین ہے پائداری ہائے ہائے

لہ زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گل فشانیہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک مین
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک مین ناموس پیمان محبت مل گئی
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تار برشگال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش محروم پیام و چشم محروم جمال
ایک دل تسپر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل مین جو کچھ ذوق خواری ہائے ہائے

لہ چونکہ زندگی نے تجھ سے وفا نہ کی اس لیے مین بھی اس سے بیزار ہون۔ ۱۲ ــ یہ پوری غزل مرثیہ محبوبہ سے ہے۔ ۱۲

سرگشتگی مین عالم ہستی سے یاس ہے ۔ ۱ ۔ تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

لیتا نہین مرے دل آوارہ کی خبر ۔ ۲ ۔ اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

کیجیے بیان سرورِ تپِ غم کہان تلک ۔ ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا ۔ ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب مین شراب ۔ ۳ ۔ اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہر اک مکان کو ہے مکین سے شرف اسد
مجنون جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

۱ مرنے سے چونکہ تسکین ہو جائے گی اس لیے امید مرگ پر تسکین کو نوید دیتا ہے ۔۱۲

۲ "اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے" حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ میرا دل اس کے پاس ہے میرے پاس نہین ۔ یا یہ کہ میرے اختیار سے باہر ہو گیا ہے ۔۱۲

۳ اس شعر مین شب مہتاب کے ساتھ بلغمی مزاج اس رعایت سے آیا ہے کہ بلغمی مزاج کی طرح شب ماہ سرد ہوتی ہے ۔ اس لیے اس کا مزاج بھی مرطوب معلوم ہوتا ہے ۔۱۲

گر خامشی سے فائدہ اخفاے حال ہے ۔ ۱ ۔ خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کس کو سناؤن حسرت اظہار کا گلہ ۔ ۲ ۔ دل فردِ جمع و خرچ زبانہاے لال ہے

کس پردے مین ہے آئینہ پرداز اے خدا ۔ ۳ ۔ رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی ۔ ۴ ۔ اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکین لباس کعبہ علی کے قدم سے جان ۔ ۵ ۔ نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا ۔ دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

۶ ۔ ہستی کے مت فریب مین آ جائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

۱ اگر خاموشی سے یہی فائدہ ہے کہ اس سے اخفاے حال مین مدد ملتی ہے تو مین خوش ہون کہ مجھکو بغیر خاموشی کے وہی بات حاصل ہے کیونکہ کوئی میری بات سمجھ نہین سکتا ۔۱۲

۲ زبان لال یعنی زبان گنگ ۔ ہزارون حسرتین ایسی تھین جن کے اظہار کی حسرت دل کی دل ہی مین

رہ گئی ہیں گویا دل زبان ہائے لال کی فہرد جمع وخرچ ہے یعنی شکوون کا ایک دفتر ہے ۔۱۲

سے زنثر) اے خدا۔ رحمت جو لب بے سوال کی عذر خواہ ہے کس پردے مین آئینہ پرداز ہے یعنی جو لوگ راضی برضائے الٰہی ہین اُن پر رحمت کے نازل ہونے مین کیا دیر ہے ۔۱۲

سے منفعل یعنی "شرمندہ شو"۔ شوق سے کہتا ہے کہ اپنے اس خیال پر شرمندہ ہو بھلا وہ اور دشمنی کرے گا۔

ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ (بیت) مین اور خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہون

سے (نثر) لباس کعبہ کو علی کے قدم سے مشکین جان (ورنہ کعبہ) ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ۔۱۲

سے خیال یعنی وہم ۔۱۲

تم اپنے شکوے کی باتین نہ کھود کھود کے پوچھو | حذر کرو مرے دل سے کہ اس مین آگ دبی ہے
دلا یہ درد والم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر | سے | نہ گریۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

سے آخر یعنی بعد چند روز کے نہ یہ گریہ سحری رہے گا نہ آہ نیم شبی ۔۱۲

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا | سے | ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیون | سے | ہم نہین جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے
آگ سے پانی مین بجھتے وقت اُٹھتی ہے صدا | ہر کوئی درماندگی مین نالے سے ناچار ہے
ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ | جس کے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے
مجھ سے مت کہہ تو ہمین کہتا تھا اپنی زندگی | زندگی سے بھی مرا جی ان دنون بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا | تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

سے گویا حرف وفا حرف غلط تھا جو تیرے خط کے کاغذ پر سے خود بخود مٹ گیا۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ذوق فنا ناتمام یعنی ناقص ہے۔ کیونکہ پھر باوجود نفس کی آتش باری کے ہم ایک بار جل کر فنا کیون نہین ہو جاتے۔

بینش مین گذرتے ہین جو کوچے سے وہ میرے | کندھا بھی کہارون کو بدلنے نہین دیتے
ری ہستی فضائے حسرت آباد تمنا ہے | سے | جسے کہتے ہین نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے
زان کیا فصل گل کہتے ہین کس کو کوئی موسم ہو | وہی ہم ہین قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
فائے دلبران ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم | اثر فریاد دلہائے حزین کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی ١ کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

١ ظاہر ہے کہ حیرت کے عالم میں انسان آہ و نالہ بھول جاتا ہے اسی اعتبار سے اپنی ہستی کو حیرت آباد تمنا اور نالے کو اس عالمِ حیرت کا عنقا قرار دیتا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ میری حیرت مانعِ فریاد ہے۔۱۲

٢ "کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے" اس کا مضمون ہر صورت صحیح ہے یعنی بظاہر صورت اس طور پر کہ عہد باندھنے کے وقت بھی ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اور معنی اس طرح پر کہ کفِ افسوس ملنا ثبوت اس کا ہے کہ جس شے کے لیے ہم افسوس کر رہے ہیں اُس کی تمنا ہم پھر کر رہے ہیں۔ اور اسی کا نام تجدیدِ تمنا ہے۔

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے ١ نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں ٢ ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

١ یعنی آخر وقت تو رحم کر کیونکہ میری حالت چراغِ کشتہ کے مانند ہے اور میری نبض گویا اس کے دھوئیں مانا ہے۔۱۲ بود بمعنی ہستی۔ اصطلاحِ طب میں وقتِ آخر کی نبض کو دودی کہتے بھی ہیں۔

٢ "بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے" کیونکہ جس وقت تک چراغ خاموش رہتا ہے اس وقت تک اس کا تیل نہیں صرف ہوتا۔ اس لیے بے رونقی ہی میں اس کا فائدہ ہے۔

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے ١ سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے ٢ نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے
دستگاہِ دیدۂ خوں بارِ مجنوں دیکھنا ٣ یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

١ یار کی چشمِ سخن گو کی صفت بیان کرتا ہے کہ وہ بحالتِ خاموشی بھی گویا ہوتی ہے۔۱۲
تو کہوے یا کہے تو پرانا محاورہ ہے بمعنی گویا۔ سخن گوئی چشمِ یار کے لحاظ سے سرمے کو شعلۂ آواز کا دھواں کہا
٢ سیارے سے یہاں ستارۂ بدقسمتی مراد ہے۔ عاشقوں کے ہمہ تن نالہ و فریاد ہونے کے اعتبار سے جسمِ عشاق کو طالعِ ناساز کا ساز کہا۔۱۲

٣ دستگاہ بمعنی قدرت و مرتبہ۔ یک بیاباں بمعنی کثرت یعنی دیدۂ مجنوں کی خونباری سے زمین جو سرخ ہوگئی ہے تو گویا اس کا فرش پا انداز جلوۂ گل سے بنا ہے اور یہ اس کی بلند پائگی کا ثبوت ہے۔

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی | میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے | کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی (۱)

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی (۲)

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

(۱) کیونکہ میں پاک دامن ہون ۔۱۲

(۲) اچھا اگر غیر کو تجھ سے محبت ہے تو یہی سہی ۔ ہم کو بھی اپنے ساتھ کچھ دشمنی نہیں ہے کہ تیرے اس قول کے ہوتے ہوئے بھی دعوے محبت کیے جائیں اور تکلیف رشک برداشت کریں ۔

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبح وطن ہے خندۂ دندان نما مجھے (۱)

ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

مستانہ طے کرون ہون رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے (۲)

کرتا ہے بس کہ باغ مین تو بے حجابیان
آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے (۳)

کھلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ
شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

(۱) نکوہش بمعنی ملامت یعنی وطن مین چونکہ مجھکو آرام حاصل ہے اس لیے صبح وطن (باعتبار اپنی سفیدی کے) گویا میرے لیے خندۂ دندان نما ہے اور میری آرام طلبی پہ مجھکو ملامت کر رہی ہے ۔۱۲

(۲) یعنی مین اس درجہ محو خیال ہو جانا چاہتا ہون کہ پھر مجھکو ہوش مین آنے کی خواہش باقی نہ رہے ۔

(۳) چونکہ تو نکہت گل کی موجودگی مین باغ مین بے حجابیان کرتا ہے اس لیے مجھکو نکہت گل سے بھی حیا آنے لگی ہے ۔۱۲

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کرین گے کہ خدا رکھتے تھے

اس بزم مین مجھے نہین بنتی حیا کیے — [1] بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

دل ہی تو ہے سیاست دربان سے ڈر گیا — مین اور جاؤن در سے ترے بن صدا کیے

رکھتا پھرون ہون خرقہ و سجادہ رہن مے — مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر — حضرت بھی کل کہین گے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم — تو نے وہ گنجہائے گران مایہ کیا کیے

کس روز تہمتین نہ تراشا کیے عدو — کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

صحبت مین غیر کی نہ پڑی ہو کہین یہ خو — دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہین — [2] بھولے سے اُس نے سیکڑون وعدے وفا کیے

غالب تمھین کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سُنا کیے

[1] بیٹھا رہا یعنی بے حمیتی سے اگرچہ اغیار میری جانب ازراہ تمسخر وطعن اشارے کرتے رہے ۔۱۲
[2] خو یعنی سہو کی خو جس کی بنا پر اُس نے بھولے سے سیکڑون وعدے وفا کیے ۔۱۲
یا یہ کہ اس کی دوسری بات ہے کہ وہ ضد سے وعدہ وفا نہ کرے لیکن اس کی عادت بری نہین ہے
یعنی یہ کہ جب وہ اپنی ضد کو بھول جاتا ہے تو سیکڑون وعدے وفا کرتا ہے ۔۱۲

رفتار عمر قطع رہِ اضطراب ہے — [1] اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائے مے ہے سروِ نشاط بہار سے — بال تدرو جلوۂ موج شراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا — نے بھاگنے کی گون نہ اقامت کی تاب ہے

جادادِ بادہ نوشیِ رندان ہے شش جہت — [2] غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظارہ کیا حریف ہو اُس برق حُسن کا — [3] جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے

مین نامراد دل کی تسلی کو کیا کرون — مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گذرا اسد مسرت پیغام یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشک سوال و جواب ہے

[1] قاعدہ ہے کہ سال کا حساب گردش آفتاب سے کیا جاتا ہے لیکن غالب کہتا ہے کہ عمر گریزان کے

سال کا حساب برق سے کیا جاتا ہے گویا اس کے سال کی مقدار وقت ایک چشمک برق کے برابر ہے ۔۱۲

۲ جاداد یعنی جائداد و گیتی خراب یعنی رسوائے زمانہ مطلب یہ ہے کہ غافل یہ خیال کرتا ہے کہ رندان بادہ نوش رسوائے زمانہ ہیں حالانکہ تمام عالم اُن کی بادہ نوشی کی جائداد ہے یعنی بصورت بے پروائی وفارغ البالی ۔

۳ جب برق حسن کا یہ عالم ہو کہ جوش بہار اُس کے جلوے کے لیے نقاب کے مانند ہو اُس کے نظارے کی کون تاب لا سکتا ہے ۔۱۲

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ۱ میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے ۲ آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے ۳ گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ ۴ نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار رازِ عشق ۵ پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اُس کی بزم آرائیاں سن کر دلِ رنجور یاں ۶ مثل نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں ۷ کھینچتا ہے جس قدر اُتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

۱ اپنے انتہائے رشک کو بیان کرتا ہے کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ خود میں اُسے دیکھوں ۔۱۲

۲ گرمی اندیشہ کو تندی صہبا سے اور دل کو آبگینے سے مشابہ کیا ہے ۔۱۲

۳ "گر حیا بھی اس کو آتی ہے" یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بیجا سے "تو شرما جائے ہے" یعنی غیر سے یا اس کے ساتھ تکرار کرنے سے ۔ (یادگار غالب)

۴ نالہ نغمہ ہو جاتا ہے یعنی تیری بزم طرب کی تاثیر سے ۔۱۲

۵ طرز تغافل یعنی طرز تغافل عاشق جو اخفائے عشق کی غرض سے برتا جاتا ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ

ہم محبوب کے سامنے اس طور سے رہتے ہیں کہ اس سے بالکل بے تعلق معلوم ہوں لیکن ہماری از خود رفتگی سے اس پر سارا حال دل ظاہر ہو جاتا ہے - ۱۲

ے بیٹھنا کا تعلق دو لفظوں سے ہے یعنی ایک تو بیٹھنا نقش مدعائے تحریر کا یعنی بر آنا مدعائے رقیب کا دوسرے بیٹھنا دل عاشق کا بے طاقتی و مایوسی کے سبب سے -

ے اس کی تصویر مصور سے بھی ناز کرتی ہے کہ جس قدر مصور اُسے کھینچتا ہے اُسی قدر وہ اُس سے اکڑتی جاتی ہے - ۱۲ نقش کے ساتھ کھنچتا جائے ہے خاص لطف رکھتا ہے ۱۲

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے	لہ	تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے	
نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم	لہ	لے لیا مجھسے مری ہمت عالی نے مجھے	
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم		کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے	
ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا		عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے	

لہ گرمی فریاد کے باعث سے شبہائے ہجر کی سردی سے مجھکو اماں ملی - ۱۲

لہ میری ہمت عالی نے مجھکو مجھ سے لے لیا یعنی میری ہمت عالی نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں نقد و نسیہ دنیا یا عقبے کے عوض میں بک جاؤں جن کی مقدار بے حقیقت اور میری خریداری کے لیے کافی نہیں - ۱۲

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے	لہ	برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے
غنچہ تا شگفتنہا برگ عافیت معلوم	لہ	باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں ہے
ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے	لہ	داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے

لہ دہقاں کی سعی گل کے حق میں اس کے یعنی گل کے خرمن راحت کے لیے برق کا کام دیتی ہے - دیکھو وہ لالے کے درخت پر اس قدر کوشش کرتا ہے لیکن اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ گل لالہ داغ بدل ہو جاتا ہے - ۱۲

لہ تا شگفتنہا یعنی کھلنے کے وقت تک برگ یعنی ساز و سامان معلوم یعنی معدوم - خواب گل پریشان ہے کنایہ اس امر کی جانب ہے کہ اس کی پنکھڑیوں میں بکھر جانے کا مادہ پنہاں ہوتا ہے - مطلب یہ ہے کہ کھلنے کے وقت تک غنچے کے لئے آرام و عافیت کا باقی رہنا ناممکن ہے - کیونکہ ظاہر میں اگرچہ اس کی صنوبری صورت سے اس کی دلجمعی کا خیال ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی پنکھڑیوں میں

پریشانی کا مادہ پنہاں ہوتا ہے۔

ف جب داغ اور شعلہ بزبان حال اظہار عجز کر رہے ہیں اور بیتابی کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے تو بھلا ہم سے رنج بیتابی کیونکر اٹھے گا۔۱۲۔ شعلہ کا مثل بدندان ہونا اور داغ کی مشابہت پشت دست بعجز سے ظاہر ہے۔۱۲

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب		ہم بیابان میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
سادگی پر اُس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے	۱	بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا	۲	میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بااینہمہ		ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی	۳	یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے
رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے	۴	اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی		فتنۂ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے

۵	ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱ ہمارے دل میں اس کی سادگی پر مر جانے کی حسرت ہے لیکن پھر بس نہیں چلتا کیونکہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے اس لیے مجبوری کشتۂ خنجر ہونا پڑے گا۔۱۲۔ یا یہ کہ اس کی سادہ لوحی پر مر جانے کی حسرت ہے جو ہم کو خنجر سے مارنا چاہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ہمیں بے خنجر ہی شہید کر سکتا ہے۔

۲ کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات قائل کے منہ سے نکلے وہ سامع کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ اس کو شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی۔ (یادگار غالب)

۳ ہم جانتے ہیں کہ ہماری سعی بیکار ہے لیکن پھر بھی اس میں ایک قسم کی لذت ملتی ہے۔ بس اے ہجوم ناامیدی بس کر کہ کہیں تیری وجہ سے یہ لذت بھی خاک میں نہ مل جائے۔۱۲

۴ ہم کو چونکہ واماندگی سے ایک قسم کا عاشقانہ تعلق ہے اس لیے ہمارا جو قدم اٹھ نہیں سکتا (یعنی جو واماندہ ہے) وہ گویا منزل میں ہے (یعنی اپنے مقصد کو پہنچ گیا ہے) تو پس ہم رنج راہ کیوں کھینچیں۔۱۲

ؔ غالب کا شوریدہ دل ایک پیچ و تاب کا طلسم ہے بس تو اپنی تمنا پر رحم کر اور اس کو غالب کے دل سے نکلنے دے تاکہ وہ (تمنا) اس طلسم پیچ و تاب کی کشمکش سے رہائی پائے ۔۱۲۔ اس شعر میں مرزا نے تمنا کے بر آنے کے مضمون کو نئی طرح سے ادا کیا ہے۔ آمیر مینائی مرحوم کا شعر بھی سنیئے ؎

ؔ دل آپ کا کہ دل میں جو کچھ ہے سب کا ہے ۔ دل لیجیے مگر مرے ارمان نکال کے

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی		دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراغ		تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی
وہ بادہ شبانہ کی سرمستیاں کہاں		اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں		بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی
دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا		موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی
ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی		اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی
نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا		مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا	ؔ	کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانے نے اسد اللہ خان تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

ؔ کہتا ہے کہ تمہارے جاتے ہی بسبب خود رفتگی و خود فراموشی کے یہ حالت ہو گئی کہ آج اور کل کی مطلق تمیز نہ رہی اور ایسا ہی قیامت کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی و مستقبل دونوں مبدل بزمانہ حال ہو جائیں گے ۔ بس تم کیا گئے گویا قیامت گذر گئی۔ قیامت گذرنے کے دونوں معنی ہیں نہایت سختی کا زمانہ گذرنا اور خود قیامت کا آجانا ۔۱۲ (یادگار غالب)

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے	ؔ	حوران خلد میں تری صورت مگر ملے	
اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل	ؔ	میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے	
ساقی گری کی شرم کرو ورنہ آج ہم	ؔ	ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے	
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم	ؔ	میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے	
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا		فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے	

جانا کہ اک بزرگ ہمین ہم سفر ملے		لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین

اے ساکنان کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہین جو غالب آشفتہ سر ملے

سلہ اگر ہم کو یہ امید ہو کہ حوران بہشت مین کوئی صورت تیری ہی سی ملے گی تو ہم تسکین دل کا غم نہ کرین کہ خیر ذوق نظر تو حاصل ہے - رہی تسکین دل وہ بغیر تیرے ممکن نہین ہے -

سلہ میرے پیتے سے یعنی میرے مدفن کے پتے سے - ۱۲

سلہ ساقی گری کی شرم کرو یعنی مے باندازۂ حوصلہ دو - ۱۲

سلہ نامہ بر سے میرا سلام کہیو یعنی بطور طعن کے کہ واہ کیا خوب ہمارا کام کیا - ۱۲

اپنے جی مین ہم نے ٹھانی اور ہے	سلہ	کوئی دن گر زندگانی اور ہے
سوز غمہاے نہانی اور ہے		آتش دوزخ مین یہ گرمی کہان
پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے		بارہا دیکھی ہین اُن کی رنجشین
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے		دیکے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
وہ بلاے آسمانی اور ہے	سلہ	قاطع اعمار ہین اکثر نجوم

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

سلہ یعنی اگر کچھ اور زندگی ہوئی تو ہم ترک محبت کی کوشش کرین گے - ۱۲

سلہ قاطع اعمار یعنی عمرون کے کاٹنے والے - وہ بلاے آسمانی اور ہے یعنی وہ ستمگر نجوم قاطع اعمار سے بھی بڑھ کر ہے - ۱۲

کوئی صورت نظر نہین آتی		کوئی امید بر نہین آتی
نیند کیون رات بھر نہین آتی	سلہ	موت کا ایک دن معیّن ہے
اب کسی بات پر نہین آتی		آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
پر طبیعت ادھر نہین آتی		جانتا ہون ثواب طاعت و زہد
ورنہ کیا بات کر نہین آتی		ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون

کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین		میری آواز گر نہین آتی
داغ دل گر نظر نہین آتا	۲	بو بھی اے چارہ گر نہین آتی
ہم وہان ہین جہان سے ہم کو بھی		کچھ ہماری خبر نہین آتی
مرتے ہین آرزو مین مرنے کی	۳	موت آتی ہے پر نہین آتی

کعبے کس مُنہ سے جاوٴ گے غالب
شرم تم کو مگر نہین آتی

۱ نیند کے لفظ پر زور دیکر پڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہے یعنی موت کا البتہ ایک دن معین ہے کہ وہ اُسی روز آئے گی آخر نیند کیون نہین آتی؟ کیا یہ بھی موت ہو گئی کہ بوقت معین ہی آئے گی۔۱۲

۲ چارہ گر داغ دل کے وجود کو مشتبہ سمجھتا ہے۔ شاعر اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر تجھکو داغ دل نظر نہین آتا تو کیا اس کی بوے سوختہ بھی نہین آتی۔ پھر اشتباہ کا سبب کیا ہے۔

۳ موت آتی ہے یعنی آرزوے مرگ مین۔۱۲

دل نادان تجھے ہوا کیا ہے		آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار	۱	یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
مین بھی مُنہ مین زبان رکھتا ہون		کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہین کوئی موجود		پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین		غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکنِ زلف عنبرین کیون ہے		نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہان سے آئے ہین		ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید		جو نہین جانتے وفا کیا ہے
ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا		اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہون		مین نہین جانتا دعا کیا ہے

مین نے مانا کہ کچھ نہین غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

سلہ گویا ابھی عشق کے کوچے مین قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق مین جو راز و نیاز کی باتین ہوتی ہین تم اُن سے ناواقف ہے اس لیے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے (یادگار غالب)

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے	سلہ	یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وُو آئے
ہون کش مکشِ نزع مین ہان جذبِ محبت		کچھ کہہ نہ سکون پر وہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم		آنا ہی سمجھ مین مری آتا نہین گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگین گے نکیرین	سلہ	ہان منہ سے مگر بادہ دوشینہ کی بو آئے
جلاد سے ڈرتے ہین نہ واعظ سے جھگڑتے		ہم سمجھے ہوے ہین اُسے جس بھیس مین جو آئے
ہان اہل طلب کون سنے طعنۂ نا یافت		دیکھا کہ وہ ملتا نہین اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا نہین وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھین		اُس در پہ نہین بار تو کعبے ہی کو ہو آئے
کی ہم نفسون نے اثرِ گریہ مین تقریر	سلہ	اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھکو ڈبو آئے

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے وان اور تری تقدیر کو رو آئے

سلہ یہ تو تم سب لوگ دعا کرتے ہو کہ خدا کرے وہ بت غالیہ مو آئے۔ لیکن میری یہ تمنا چاہتی ہے کہ ایک بار تم سب گھبرا کے کہو کہ لو وہ آ گئے۔۱۲

سلہ بادہ نوشی کی صفت بیان کرتا ہے کہ اس کی بو سے البتہ نکیرین بھاگ جائین گے ورنہ اور کوئی دوسری صورت ان کے ٹلنے کی نہین ہے۔۱۲

سلہ اثر گریہ مین یعنی اثر گریہ کے باب مین "مگر مجھکو ڈبو آئے" کیونکہ اس پر میرے رونے کی بے اثری ثابت ہو گئی۔۱۲

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے		سینہ جویائے زخم کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن		آمدِ فصل لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز	سلہ	پھر وہی پردۂ عماری ہے
چشم دلالِ جنسِ رسوائی		دل خریدار ذوق خواری ہے

وہی صدرنگ نالہ فرسائی		وہی صدگونہ اشک باری ہے
دل ہوا ہے خرام ناز سے پھر		محشرستان بے قراری ہے
جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے	٢ه	روز بازار جان سپاری ہے
پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہین		پھر وہی زندگی ہماری ہے
پھر کھلا ہے در عدالتِ ناز	ق	گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان مین اندھیر		زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال		ایک فریاد و آہ وزاری ہے
پھر ہوے ہین گواہ عشق طلب		اشک باری کا حکم جاری ہے
دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا		آج پھر اس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہین غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سله وہی پردۂ عماری جس مین محبوب جلوہ گر ہے ۔۱۲

٢ه یعنی جلوۂ یار پھر برسرناز ہے اور جان سپاری عشق کا بازار گرم ہے ۔۱۲

جنون تہمت کش تسکین نہ ہو گر شادمانی کی	سله	نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی
کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی	٢ه	ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی
پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہے		شرار سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

سله قاعدہ ہے کہ تکلیف کی حالت مین اگر تھوڑی دیر کو راحت مل جاے تو تکلیف و راحت کے مقابلے کی وجہ سے تکلیف کا احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی بنا پر کہتا ہے کہ ہم نے شادمانی کی (ترجمہ شادمانی کردم) یعنی کسی قدر لذت زندگانی حاصل کی تو اس سے ہمارے جنون پہ خواہش تسکین کا الزام عائد نہین ہو سکتا کیونکہ اس سے تو زخم دل پر اور بھی نمک پاشی ہو جاتی ہے ۔۱۲

٢ه کشاکش ہائے ہستی سے کوئی آزاد نہین ہو سکتا۔ مثلاً موج آب ہی کو لے لیجیے کہ اس کی روانی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد ہے لیکن غور سے دیکھیے تو روانی ہی کی وجہ سے وہ پابند نظر آگئی کیونکہ روانی موج سے زنجیر کی صورت نمودار ہو جاتی ہے ۔۱۲

نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی	(۱)	مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی
رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے	(۲)	اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی
پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا	(۳)	ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت	(۴)	کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی
کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے		مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

(۱) چونکہ ستمِ یار کے فریادی کی سزا ملامت ہے اس لیے کیا عجب کہ صبحِ محشر بھی خندۂ دنداں نما ہو (یعنی آمادۂ ملامت ہو) اس واسطے کہ اس دن بیدادِ یار کی فریاد کی جائے گی۔ اور آئینِ عشق میں یہ امر قابلِ ملامت ہے۔

(۲) اگر دشتِ مجنوں میں دہقان دانے کے بجائے نشتر کی نوک بوئے تو اتحادِ حسن و عشق کے اثر سے نوکِ نشتر کی خلش رگہائے لیلیٰ کو بھی محسوس ہو۔ ۱۲ جس طرح لیلیٰ کی فصد کے ساتھ مجنوں کی فصد خود بخود کھل گئی تھی۔

(۳) چونکہ دورِ ساغر کی روانی گرمیِ مجلس پر منحصر تھی اور گرمیِ محفل سوزِ پرِ پروانہ پر اس لیے پرِ پروانہ گویا کشتیِ مے کا بادبان ٹھہرا کہ اسی کی وجہ سے دورِ ساغر و کشتیِ مے ظہور میں آیا۔ ۱۲

(۴) پرفشانی یعنی اڑنا۔ اڑنے سے پہلے ہی میرے شہپر سے طاقتِ پرواز جاتی رہی اب ذوقِ پرفشانی کی بیداد بیان سے باہر ہے کہ اڑنا چاہتا ہوں لیکن اڑ نہیں سکتا۔ ۱۲

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے		جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے		اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے	(۱)	یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر		وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں		تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں		ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
اللہ ری تیری تندیِ خو جس کے بیم سے	(۲)	اجزائے نالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے
اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق	(۳)	جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

نالے عدم مین چند ہمارے سپرد تھے		جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی مین دل لگی
سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

لہ گویا اپنی ہستی کو فنا قرار دیا جس کا وجود برائے نام صرف قسم کھانے کے لیے باقی ہے ۔
۲ ان کے غصے کے خوف سے نالہ دل کا دل ہی مین فنا ہو کر رہ گیا اور باہر نہ نکل سکا ۔۱۲ رزق ہم = رزق بکدگر
۳ اٹھ گئے کے دو معنے لیے ہین ۔ ایک تو پانون اٹھ گئے ۔ بصورت شکست فرار کی حالت مین ۔ دوسرے "وہ اٹھ گئے" معمولی معنون مین یعنی "بلند ہوئے" اور گویا علم فتح ٹھیرے ۔۱۲
۴ (نثر) عدم مین چند نالے ہمارے سپرد تھے ان مین سے جو نالے وہان نہ کھینچ سکے وہ دنیا مین سانس کی شکل مین ظاہر ہوئے ۔ غالب اپنے سراپا درد ہونے کو اس پہلو سے بیان کرتا ہے کہ میرا ہر نفس گویا نالہ ہے ۱۲

جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی	لہ	تو فسردگی نہاں ہے بہ کمین بے زبانی
مجھے اس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی		کبھی کودکی مین جس نے نہ سنی مری کہانی
یونہی دکھ کسی کو دینا نہین خوب ورنہ کہتا	۲	کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

لہ اگر محبت کی گرمی داغ دل کی حفاظت نہ کرے تو افسردگی (جو خاموشی و محرومی سے پیدا ہوتی ہے) اس داغ کو مٹا دے ۔۱۲ بے زبانی کا لفظ شعلے کی رعایت زبان کے لحاظ سے مناسب ہے ۔
۲ یعنی دعا کرتا کہ عدو کو میری سی زندگی نصیب ہو جو سراپا مصیبت ہے ۔۱۲ (۸)

ظلمت کدے مین میرے شب غم کا جوش ہے	لہ	اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے
نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال	۲	مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے
مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب	۳	اے شوق یان اجازت تسلیم ہوش ہے
گوہر کو عقد گردن خوبان مین دیکھنا		کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست	۴	بزم خیال مے کدۂ بے خروش ہے

لہ شب غم کا جوش ہے یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ہے ۔ گویا سحر ناپیدا ہے ۔ ہان ایک دلیل صبح کی بود ہے یعنی بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ چراغ صبح کو بجھ جایا کرتا ہے ۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھیرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے ۔ پس دیکھنا چاہیے کہ جس گھر مین علامت صبح مؤید ظلمت ہو وہ گھر کتنا تاریک ہوگا ۱۲ ۔ (ازعود ہندی بہ تبدیلی عبارت از راقم)

۵۴ "آشتی چشم و گوش ہے" کیونکہ دونون محروم ہین نہ کان کو مژدۂ وصال نصیب ہے نہ آنکھ کو نظارۂ جمال ۱۲

۵۵ ایسی حالت مین کہ شراب نے حسنِ خود آرا کو بے حجاب کر دیا ہے۔ اے شوق تجھکو بھی اجازت ہے کہ ہوش و حواس یا صبر و ضبط کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ دے۔ ۱۲

۵۶ محفلِ خیال کو مے کدۂ بے خروش قرار دیا ہے جہان دیدار بادہ ہے اور حوصلہ بمنزلۂ ساقی اور نگاہ بمنزلۂ مست ہے۔ ۱۲ حوصلہ کو ساقی اس لیے کہا کہ تصوّرِ یار کی حالت مین عاشق کو اختیار ہے کہ بقدرِ حوصلہ اپنی نگاہِ شوق کو شرابِ دیدار سے مستی اندوز کرے۔ ۱۲

قطعہ

(۸)

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمھین ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھیے آ کر تو بزم مین
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہین غیب سے یہ مضامین خیال مین
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہین ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہین ہے

دیتے ہین جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہین ہے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہین ہے

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک مین عشاق کی غبار نہین ہے

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی ۵۷
غیرِ گل آئینہ بہار نہین ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
وائے اگر عہد استوار نہین ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

لہ بہار کی نمود اسی وقت تک ہے جب تک کہ گل قائم ہے۔ لیکن چونکہ قیام شگفتگی گل ناپائدار ہے اس لیے بہار بھی ناپائدار ہے۔ بس اس سے بہتر ہے کہ دل سے جلوہ ہائے معانی کا لطف اٹھایا جائے کیونکہ لطف سخن کی بہار بے خزان ہے۔۱۲۔ یا یہ کہ جس طرح گل حسن بہار کا آئینہ ہوتا ہے اسی طرح دل مین حسن معانی کا جلوہ نظر آتا ہے۔۱۲

ہجوم غم سے یان تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی	لہ	کہ تار دامن و تار نظر مین فرق مشکل ہے سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان مین جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

لہ اس مضمون کا ایک شعر اور بھی مرزا نے لکھا ہے۔ ۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن پابدامن ہو رہا ہون بسکہ مین صحرا نورد دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت ہون سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ	لہ	غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین خار پا ہین جوہر آئینۂ زانو مجھے ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے ہے یہی بہتر کہ لوگون مین نہ چھیڑے تو مجھے

لہ مین کہ صحرا نوردی کا عادی تھا اس لیے مجھ کو (بربنائے مایوسی اور مجبوری) اس طرح پر پابدامن بیٹھنا سخت تکلیف دہ ہے پابدامن ہونے کی حالت مین چونکہ سرنگون بیٹھتے ہین اور نگاہ زانو کی جانب ہوتی ہے۔ اس لیے آئینۂ زانو کا استعارہ استعمال کیا۔ اس آئینے کا جوہر وہ کانٹے ہین جو پانون مین چبھے تھے۔۱۲

جس بزم مین تو ناز سے گفتار مین آوے سائے کی طرح ساتھ پھرین سرو و صنوبر سب تار گران مانگی اشک بجا ہے دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر	لہ	جان کالبد صورت دیوار مین آوے تو اس قد دلکش سے جو گلزار مین آوے جب لخت جگر دیدۂ خون بار مین آوے کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار مین آوے

اُس چشمِ فسون گر کا اگر پائے اشارا
طوطی کی طرح آئینہ گفتار مین آوے

کانٹون کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیِ پُر خار مین آوے

مرجاؤن نہ کیون رشک سے جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زنار مین آوے

غارتگرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیون شاہدِ گل باغ سے بازار مین آوے

تب چاک گریبان کا مزا ہے دلِ نالان
جب اک نفس اُلجھا ہوا ہر تار مین آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا رازِ نہان سے
اے واے اگر معرضِ اظہار مین آوے

گنجینۂ معنے کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار مین آوے

سلہ اس قدِ دل کش سے یعنی اس قدِ دل کش کے ساتھ" ترجمہ ہے "با این قدِ دل کش" کا -۱۲

حسن مہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہین اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی مین کہتے ہین کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

بے طلب دین تو مزا اس مین سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہو خوے سوال اچھا ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق
وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہین عشاق بتون سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیرین سے کیا
جس طرح کا کہ کسی مین ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا مین جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

سلہ خضر سلطان کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ مین یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

سلہ خضر سلطان فرزند بہادر شاہ ظفر -

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی سہی

خار خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے
سلہ شوق گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی

مے پرستاں خم مے منہ سے لگاتے ہی بنی
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
ٰ٢ گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالبؔ اگر عمر طبیعی نہ سہی

١ اگر شوق تسلی کے گلستان کا گلچین نہیں ہے یعنی اگر شوق کو تسلی حاصل نہیں ہوتی تو نہ سہی اس کے لیے حسرت دیدار کا رنج کافی ہے۔

٢ نثر۔ اگر نفس قیس (جو چشم و چراغ صحرا ہے) شمع سیہ خانۂ لیلیٰ نہیں ہے تو نہ سہی ۔۔۱۲
سیہ خانۂ لیلیٰ "خیمۂ سیاہ لیلیٰ" کی مناسبت سے کہا۔ غالب نے اس شعر میں عشق کی شان استغنا کا اظہار کیا ہے

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
١ کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
٢ تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالبؔ
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

١ سر کے شوق شہادت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ (جیسا کہ سائے میں ہوتا ہے) پاؤں سے بھی دو قدم آگے ہے ۱۲
٢ بد دعا میں دعا کا پہلو نکالا ہے کیونکہ پریشان ہونا زلف کی صفت ہے ۔۔۱۲

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
١ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
٢ شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ مین ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیون نہ ٹھیرین ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہین گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہین اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی مدح مین یون نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے مین جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستان پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

مین جو گستاخ ہون آئین غزل خوانی مین
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی مین معاف
آج کچھ درد مرے دل مین سوا ہوتا ہے

۱؎ یہ بھی نہ کہو کہ وہ بے مہر شکوے کے نام سے خفا ہو جاتا ہے - کیونکہ ایسا کہنا بھی تو شکوے مین داخل ہوگا
۲؎ اگرچہ محبوب کو یہ خبر نہین ہے کہ اس کا سرگرم جفا ہونا ایک طرح پر حسن تلافی ہو جائے گا بقول غالب
نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین
اس پر بھی وہ شکوہ جو ہے سرگرم جفا ہوتا ہے"

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھین کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

نہ شعلے مین یہ کرشمہ نہ برق مین یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہمسخن تم سے
وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے ۳؎

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہان دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگون مین دوڑتے پھرنے کے ہم نہین قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

پیون شراب اگر خم بھی دیکھ لون دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر مین غالب کی آبرو کیا ہے

سلہ رقیب جو میری بدگوئی کرتا ہے اسکا مجھے اندیشہ نہین البتہ رشک اس بات کا ہے کہ وہ تجھ سے ہمکلام ہوتا ہے

مین انھین چھیڑون اور کچھ نہ کہین
چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میری قسمت مین غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

غیر لین محفل مین بوسے جام کے
ہم رہین یون تشنہ لب پیغام کے

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہین چرخ نیلی فام کے

خط لکھین گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہین تمھارے نام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھون نے پھنسایا کیا مگر
یہ بھی حلقے ہین تمھارے دام کے

شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھرین حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک
اس کو کہتے ہین عالم آرائی

کہ زمین ہو گئی ہے سر تا سر
روکش سطح چرخ مینائی

سبزے کو جب کہین جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے	چشم نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر[۱]	بادہ نوشی ہے بادپیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

[۱] جب ہوا میں شراب کی تاثیر ہے تو بادہ پیمائی کار بے فائدہ ہے ۔ ۱۲

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے	[۱]	اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے	[۲]	بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

[۱] میرے عجز کا درجہ یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ میں تغافل کو دوست رکھنے لگا ہوں۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر آپ پہلو تہی کریں گے تو گویا میرا پاس کریں گے کیونکہ میں تغافل اور پہلو تہی کو دوست رکھتا ہوں بمصداق ع ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز + نا مہربان نہیں ہے اگر مہربان نہیں ۔ قاعدہ ہے کہ محفل میں لوگ عام طور پر اپنی نمود اور خاطر چاہتے ہیں لیکن بعضے لوگ بمقتضائے کمال کسر نفسی یہی چاہتے ہیں کہ ان کی آؤ بھگت نہ ہو۔ ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ اگر محفل محبوب میں اور لوگوں کے ساتھ کوئی اس سے سچی محبت رکھنے والا بھی ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ محبوب اوروں سے مخاطب ہوگا اور اس سے تغافل کرے گا۔ اہل دل پر روشن ہے کہ یہ تغافل التفات سے بہتر ہے ۔ ۱۲

[۲] یعنی اہل ہمت کے نہ ہونے سے عالم آباد رہا۔ کیونکہ اہل ہمت دنیا کو ہیچ سمجھ کر اس کی جانب التفات نہ کرتے اور دنیا ویران ہو جاتی۔ دوسرا مصرعہ مثالیہ ہے ۔ ۱۲

کب وہ سنتا ہے کہانی میری		اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلش غمزۂ خوں ریز نہ پوچھ	[۱]	دیکھ خونابہ فشانی میری
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار		مگر آشفتہ بیانی میری
ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال	[۲]	بھول جانا ہے نشانی میری
متقابل ہے مقابل میرا	[۳]	رک گیا دیکھ روانی میری
قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں		سخت ارزان ہے گرانی میری

گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں	٤ ه	صرصرِ شوق ہے بانی میری
دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا		کھُل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری

له یعنی میری خوننابہ فشانی کو دیکھ کر اس کے غمزۂ خون ریز کی خلش کی کیفیت واضح ہو جائیگی ۔۱۲
۲ه مین صحرائے خیال کا از خود رفتہ ہوں اور از خود رفتگی ہی میری نشانی یا پہچان ہے ۔۱۲
۳ه "مقابل ہے" یعنی بہ تصنع مقابل ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حریف میری روانی (روانیِ طبع) کو دیکھکر درحقیقت قائل ہو گیا ہے، لیکن ظاہر مین محض اپنی بات کی پچ کے لیے بہ تصنع مقابلہ کیے جاتا ہے ۔۱۲
راقم نے اس شعر کے یہ معنی لکھے تھے لیکن بعد کو عودِ ہندی مین مرزا صاحب کا ایک خط مولوی عبدالرزاق صاحب شاکر کے نام نظر سے گذرا جس میں اس شعر کے متعلق لکھا ہے :۔
"تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا ۔ نور و ظلمت ۔ شادی و غم ۔ رنج و راحت ۔ وجود و عدم ۔ لفظ مقابل اس مصرعے مین بمعنی مرجع ہے جیسے حریف کہ بمعنے دوست کے بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ کہ ہم اور دوست از روے خو و عادت ضد ہمدیگر ہین ۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھکر رُک گیا ۔۱۲
٤ه گرد باد یعنی بگولا جو ہوائے تیز سے پیدا ہوتا ہے ۔ شاعر اپنے کو راہِ بیتابی کا گرد باد قرار دیتا ہے جو صرصرِ شوق سے پیدا ہوا ہے ۔۱۲

نقشِ نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب	١ه	پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے
تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے		غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وہ تبِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع	٢ه	شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

له یعنی آغوشِ رقیب مین اُس بتِ طناز کی تصویرِ ناز کے لیے خامۂ مانی کے بجائے پائے طاؤس کی ضرورت ہے ۔۱۲ طاؤس حسین ہوتا ہے لیکن پائے طاؤس بدنما ہوتے ہین اسی طرح سے نقشِ نازِ بتِ طناز خوب ہے لیکن "آغوشِ رقیب" ٹھیک نہین ۔ پائے طاؤس کے قلم کی اسی مناسبت سے ضرورت ظاہر کی گئی ۔
۲ه "وہ تبِ عشق تمنا ہے" ترجمہ ہے "آن تبِ عشق تمنا دارم" کا یعنی مجھکو ایسے تبِ عشق کی تمنا ہے جسکا شعلہ الخ

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

وان کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر
یان نالے کو اور اُلٹا دعوائے رسائی ہے

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے [1]

[1] داغ صورت مین آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے پس داغ گویا نالہ و فریاد پر چشم نمائی کرتا ہے اور ضبط کی تاکید کرتا ہے -۱۲

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھدیجیو یا رب اُسے قسمت مین عدو کی

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور
دل مین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیون ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یان تو کوئی سنتا نہین فریاد کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت مین رہے ایک بت عربدہ جو کی

[1] اپنی انتہا دوستی کا ثبوت دیتا ہے - کہتا ہے کہ مین ایسا زخم نہین چاہتا جس کے رفو کی تدبیر ہو سکتی ہو -۱۲

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم
حیران کیے ہوے ہین دل بے قرار کے [1]

آغوش گل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

[1] پہلا مصرعہ تمثالیہ ہے - دل بے قرار کو سیماب اور اپنی حیرانی کو آئینے سے مشابہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح پارے کی قلعی سے شیشہ آئینہ بن جاتا ہے اسی طرح بے قراری نے مجھکو آئینہ حیرت بنا دیا ہے -۱۲

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط مین
معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے [1]

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہان
شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

[1] کہتا ہے کہ وصل مین محبوب کی جانب سے شوخی اور عاشق کی جانب سے بیباکی کا اظہار ہونا چاہیے کیونکہ اگر اس حالت مین بھی ضبط و تمکین کا لحاظ رکھا جائیگا تو ایسا وصل بھی گویا ہجر ہی رہے گا -۱۲

چاہیے اچھون کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہین تو پھر کیا چاہیے

صحبت رندان سے واجب ہے حذر
جاے مے اپنے کو کھینچا چاہیے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایام گل — کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — لہ — مُنہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو — ٢ہ — کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
اپنی رسوائی مین کیا چلتی ہے سعی — یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا امیدی اُس کی دیکھا چاہیے
غافل ان مہ طلعتون کے واسطے — چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہین خوب رُویون کو اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

لہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے خصوصیت کے ساتھ مُنہ چھپانا چھوڑ دو یعنی جس طرح سب کے ساتھ بے تکلف بے حجاب اور بیگانہ وار رہتے ہو اسی طرح سے میرے ساتھ بھی ہو کیونکہ اس قسم کی بیگانگی دوستی کا پردہ ہوتی ہے یعنی اس سے لوگون کو محبت کا حال معلوم نہین ہونے پاتا-۱۲

٢ہ دیکھنا چاہیے کہ رقیب میرا کس درجہ دشمن ہے کہ میری دشمنی کے پیچھے آپ بھی تباہ ہو گیا کیونکہ محبوب اس سے بھی بدگمان ہو گیا-۱۲

ہر قدم دوری منزل ہے نمایان مجھ سے — لہ — میری رفتار سے بھاگے ہے بیابان مجھ سے
درس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر — ٢ہ — ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگان مجھ سے
وحشت آتش دل سے شب تنہائی مین — صورت دود رہا سایہ گریزان مجھ سے
غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتان — ٣ہ — کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویران مجھ سے
اثر آبلہ سے جادۂ صحرائے جنون — ٤ہ — صورت رشتۂ گوہر ہے چراغان مجھ سے
بیخودی بستر تمہید فراغت ہو جو — ٥ہ — پُر ہے سایے کی طرح میرا شبستان مجھ سے
شوق دیدار مین گر تو مجھے گردن مارے — ٦ہ — ہو نگہ مثل گل شمع پریشان مجھ سے
بیکسی ہائے شب ہجر کی وحشت ہے ہے — ٧ہ — سایہ خورشید قیامت مین ہے پنہان مجھ سے
گردش ساغر صد جلوۂ رنگین تجھ سے — ٨ہ — آئینہ داری یک دیدۂ حیران مجھ سے
نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ — ہے چراغان خس و خاشاک گلستان مجھ سے

۵۱ اپنی رفتار کی ناکامی کا بیان یہ غلو کرتا ہے کہ ہر قدم پر بجائے نزدیک ہونے کے منزل مقصود دور ہوتی جاتی ہے ۔۱۲

۵۲ ظاہر ہے کہ "رشتۂ شیرازۂ مژگان" غیر محسوس ہوتا ہے پس مطلب یہ ٹھیرا کہ کتاب دیدار یار کے عنوان کا درس یا (بحذف استعارات) محبوب کے دیدار کا لطف اُسی حالت مین ہے کہ ہم اُسے دیکھین اور اُسے ہمارے اس دیکھنے کا علم نہو ۔۱۲

۵۳ یعنی یہ مناسب نہین ہے کہ عشاق کے غم مین محبوب ترک آرایش کر کے سادگی اختیار کرے اور آئینہ دیکھنا چھوڑ دے اور اس طور پر خانہ آئینہ ویران ہوجائے ۔۱۲

۵۴ آبلے کو گوہر روشن اور جادۂ صحرا کو رشتۂ گوہر سے مشابہ کیا ہے ۔۱۲

۵۵ بطفیل بیخودی (جس کو بستر تمہید فراغت ہونا نصیب ہے) میرا شبستان مجھ سے پُر ہے جس طرح سائے کا شبستان سائے سے پر ہوتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ بربنائے بیخودی مین مثل سایہ اپنی جگہ پر بہ آرام پڑا ہوا ہون ۔۱۲

۵۶ شمع کا گل جب کترا جاتا ہے تو اس کے اجزا پریشان اور برہم ہوجاتے ہین ۔ غالب کہتا ہے کہ اگر تو مجھے گردن مارے تو میری نگاہ بربنائے شوق دیدار گل شمع کے مانند پریشان ہوجائے یعنی ایک نگاہ کی کئی نگاہین ہوجائین ۔۱۲

۵۷ بقول شاعرسہ کسی کا کب کوئی روز سیہ مین ساتھ دیتا ہے + کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا رہتا ہے انسان سے

۵۸ برابر کے کیا خوب بلیغ مصرعے لکھے ہین ۔ مطلب یہ ہے کہ جلوۂ حسن کا تعلق تجھ سے ہے اور حیرت عشق کا مجھ سے ۔۱۲

نکتہ چین ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے

مین بلاتا تو ہون اس کو مگر اے جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہین چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یون بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یون ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہین تو کیا
ہاتھ آوین تو انھین ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے ۔۔ ۱؎ ۔۔ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے ۔۔ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

۱؎ موت کی راہ دیکھنے سے کیا فائدہ کہ وہ تو خواہ مخواہ آئے ہی گی۔ تمھاری خواہش کرنا چاہیے کہ اگر تم نہ آؤ تو مجھے بلاتے بھی نہ بن پڑے ۔۱۲

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے ۔۔ ۱؎ ۔۔ صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال ۔۔ دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک ۔۔ ۲؎ ۔۔ آبگینہ کوہ پر عرض گران جانی کرے

میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست ۔۔ ۳؎ ۔۔ موے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد ۔۔ ۴؎ ۔۔ یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

۱؎ عریانی کی حالت میں اگر وحشت کو گریبان چاک کرنے کی خواہش پیدا ہو تو میرا زخم دل صبح کے مانند گریبان بن کر چاک ہو۔

۲؎ ہم کب تک یہ خواہش کریں کہ وہ سنگ دل و تغافل شعار ہماری دل شکنی ہی کرے اور وہ اس پر بھی متوجہ نہ ہو۔۱۲۔ یعنی تغافل شعاری اُسے دل شکنی کی بھی اجازت نہ دے۔

۳؎ اگر میکدہ محبوب کی مست ناز آنکھ سے شکست پائے تو ساغر میں جو بال پڑیں وہ گویا دیدۂ ساغر کے لیے پلکیں بن جائیں اور چشم ساغر محو چشم یار ہو جائے واللہ اعلم۔

۴؎ خط عارض سے یعنی بذریعہ خط عارض ۔ عارض یار پر جو خط نمایاں ہوا ہے وہ ایک عہد نامہ ہے جو الفت نے زلف کو لکھ دیا ہے کہ میرے حق میں پریشانی کو جو کچھ کرنا ہو کرے مجھے سب منظور ہے ۔۱۲

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے ۔۔ ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا ۔۔ تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو ۔۔ نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پانون پھول گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پانون داب تو دے

تپش سے میری وقف کشمکش ہر تار بستر ہے
مرا سر رنج بالین ہے مرا تن بار بستر ہے

سرشک سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے
دل بے دست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے

خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغ شمع بالین طالع بیدار بستر ہے[1]

بطوفان گاہ جوش اضطراب شام تنہائی
شعاع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے[2]

ابھی آتی ہے بو بالش سے اُس کی زلف مشکین کی
ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے[3]

کہون کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار مین غالبؔ
کہ بے تابی سے ہر اک تار بستر خار بستر ہے

[1] تمھارے آنے کی وجہ سے طالع بیدار بستر فروغ شمع بالین ہے یعنی طالع بیدار کی درخشندگی شمع بالین کی روشنی سے بھی بڑھ گئی ہے۔ ۱۲

[2] بربناے اضطراب شام فراق ہر تار بستر شعاع آفتاب قیامت سے مشابہ ہے۔ ۱۲

[3] ابھی بالش سے محبوب کے گیسوے معنبر کی خوشبو آتی ہے۔ یعنی شب وصل کو گذرے ہوے کچھ بہت زمانہ نہیں ہوا۔ ایسی حالت مین زلیخا کی طرح صرف خواب مین دیدار یار کا حاصل ہونا ہمارے بستر کے لیے موجب عار ہے۔ ۱۲

خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جائے[1]
غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

سمجھ اس فصل مین کوتاہی نشو و نما غالبؔ
اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے[2]

[1] رگ گردن بحالت غرور و غیظ پھول جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ محبوب کو میری دوستی پر اس درجہ اعتماد اور غرور ہے کہ مجھکو ڈر ہے کہ کہین "رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جائے" یعنی محبت مبدل بہ دشمنی نہ ہو جائے۔ حد سے نہ بڑھ چلین تری غفلت شعاریان + اس درجہ اعتبار تمنا نہ چاہیے۔ (حسرت موہانی)

[2] یعنی اس قدر ہجوم گل نہ ہو کہ سرو اُن مین پوشیدہ ہو جائے۔ ۱۲

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

کیون بوتے ہین باغبان تونبے	۵۱ گر باغ گدائے مے نہین ہے
ہرچند ہر ایک شے مین تو ہے	۵۲ پر تجھ سی تو کوئی شے نہین ہے
ہان کھائیو مت فریب ہستی	ہرچند کہین کہ ہے نہین ہے
شادی سے گذر کہ غم نہووے	اردی جو نہ ہو تو دے ہے نہین ہے
کیون ردِّ قدح کرے ہے زاہد	مے ہے یہ مگس کی قے نہین ہے

۵۳ ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے "نہین ہے"

۵۱ یعنی تونبون کی باغ مین موجودگی ثابت کرتی ہے کہ باغ بھی گدائے مے ہے کیونکہ تونبون سے کشکول گدائی اور کدوے شراب بنتا ہے۔۱۲

۵۲ تجھ سی یعنی تیرے مانند۔۱۲

۵۳ ردیف غزل مین الفاظ "نہین ہے" نہین ہے" کو بار بار لانے کے سبب سے غالب نے ازراہ شوخی اپنا نام ہی "نہین ہے" قرار دے لیا ہے۔ اور دریافت کرتا ہے کہ جب ہستی کی نسبت تو کہتا ہے کہ "نہین ہے" اور عدم کے باب مین بھی تیرا یہی قول ہے کہ "نہین ہے" تو اے "نہین ہے" یعنی اے غالب تو بتا کہ آخر پھر ہے کیا؟ ۔۱۲

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا	۵۱ کہ اس مین ریزۂ الماس جزو اعظم ہے
بہت دنون مین تغافل نے تیرے پیدا کی	۵۲ وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

۵۱ ریزۂ الماس سے زخم اور بھی بڑھ جاتا ہے ریزۂ الماس کو زخم دل کا مرہم کہہ کر اپنی ایذا دوستی کا اظہار کیا ہے۔۱۲

۵۲ پہلے تغافل نادانستہ تھا یعنی بربنائے بیگانگی تھا۔ لیکن اب دانستہ ہے جس کو درحقیقت التفات کہنا چاہیے اگرچہ بظاہر ہم اس کو ایسا نہ کہہ سکین۔۱۲

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہین کرتے	۵۱ مرتے ہین ولے ان کی تمنا نہین کرتے
در پردہ انھین غیر سے ہے ربط نہانی	۵۲ ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہین کرتے
یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے	۵۳ غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہین کرتے

[1] وہی مضمون ہے کہ "میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے" یہ انتہائے رشک ہے کہ اپنے اوپر بھی رشک آتا ہے ۔۱۲

[2] وہ جو غیر سے بے تکلف ملتے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اُن کو رقیب کے ساتھ کوئی خاص تعلق بھی ہے گویا ان کا پردہ نہ کرنا ایک پردہ ٹھیرا جس سے غیر کے ساتھ اُن کے ربط نہانی کا راز پوشیدہ رہتا ہے ۔۱۲ یہ وہی مضمون ہے کہ ؎

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی	منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

[3] یعنی غالب کے سے عاشق صادق کو جب تم بُرا کہتے ہو تو رقیب بوالہوس کو پھر تم سے کیا امید رہے گی ۔۱۲

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ	[1]	خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے		کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبلِ زار	[2]	کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اسد ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

[1] شراب تیرے لب سے کسبِ رنگ کرتی ہے پس گویا بادہ گلچیں ٹھیرا اور خطِ ساغر نگاہ گل چین ۔۱۲

[2] نمِ شبنم کو اس کی سفیدی کے اعتبار سے پنبہ کہا۔ یہ روئی گویا گوشِ گل کو بند کیے ہوئے ہے ۔۱۲

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو	یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے
مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی	وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے	[1]	ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے
یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے	[2]	قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے
رہے ہے یوں گہ و بے گہ کہ کوئے دوست کو اب		اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے
زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب		کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ پرسش حال	۱؎	کہ یہ کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہیے
تمھین نہین ہے سر رشتۂ وفا کا خیال	۳؎	ہمارے ہاتھ مین کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے
انھین سوال پہ زعم جنون ہے کیون لڑیے		ہمین جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیے
حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کیجیے		ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہین لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

۱؎ دیا ہے دل یعنی نامہ بر نے - اُس کو یعنی محبوب کو - ۱۲

۲؎ اجل آئے گی ضرور مگر آج جب ہم چاہتے ہین تو ضد کی وجہ سے نہین آتی - ۱۲

۳؎ محبوب سے پوچھتا ہے کہ ہمارے ہاتھ مین کچھ چیز ہے کہیے کہ وہ کیا چیز ہے - ۱۲
پہلے مصرع مین اس شے یعنی سر رشتۂ وفا کا نام بھی ظاہر کر دیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ محبوب وفا سے اس درجہ بیگانہ ہے کہ بتا دینے پر بھی اس کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ ہمارے ہاتھ مین سر رشتۂ وفا ہے -

دیکھکر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے	۱؎	کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے
بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فسان		مرحبا مین کیا مبارک ہے گران جانی مجھے
کیون نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے	۲؎	جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے
میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی	۳؎	لکھ دیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے
بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے		اس قدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے
وائے وان بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا		لیگیا تھا گور مین ذوق تن آسانی مجھے
وعدہ آنے کا وفا کیجیے یہ کیا انداز ہے	۴؎	تم نے کیون سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے
ہان نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ		پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

۱؎ دامن افشانی سے ترک تعلقات دنیاوی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ترک تعلقات کسی طرح ممکن نہین ہے

مین سمجھا تھا کہ عریان رہ کر تعلقات لباس سے آزاد ہو جاؤن گا لیکن بحالت عریانی بھی جسم کی پابندی باقی رہی اور کامل آزادی نصیب نہ ہوئی ۔۱۲

سلہ محبوب کو خوب معلوم ہے کہ اس کی بے اعتنائی مجھکو ناگوار نہ ہوگی اسی باعث سے وہ اظہار بے التفاتی مین بے باک ہے ۔۱۲ پرسش پنہان وہ پرسش جو بذریعۂ الفاظ نہ ہو۔

سلہ یعنی غمخانے کی ویرانی کے اسباب مین سے ایک سبب میری ذات کو بھی قرار دیا یا یہ کہ اسباب کے بجائے مجھکو اسباب ویرانی ملا ۔۱۲

سلہ یعنی ہر وقت انتظار مین میری نگاہ دروازے پر لگی رہتی ہے ۔۱۲ "دیکھیے" کے ساتھ "تم" اب ناجائز ہے۔

یاد ہے شادی مین بھی ہنگامۂ یارب مجھے — سلہ — سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

ہے کشاد خاطر وابستہ دررہن سخن — سلہ — تھا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجھے

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے — رشک آسایش پہ ہے زندانیون کی اب مجھے

طبع ہے مشتاق لذتہاے حسرت کیا کرون — سلہ — آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی (خود بھی) غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے (یعنی میرزا غالب)

سلہ جس طرح واعظ کی تسبیح سے صورت خندہ نمایان ہوتی ہے لیکن اس پر ذکر "یارب" ہوتا ہے اسی طرح مجھے شغل شادی مین بھی ہنگامۂ فریاد یاد رہتا ہے "یارب" کے لفظ مین ایہام ہے ۔۱۲

سلہ قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس مین بہت سی پھرکیان ہوتی ہین جن پر مختلف حروف کھدے ہوتے ہین اس قفل کے کھولنے کے لیے یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کی پھرکیان گھما کر اس طور پر مرتب کی جائین کہ ان کے حرفون سے مل کر ایک مقررشدہ لفظ بن جائے گویا قفل ابجد کا وا ہونا لفظ مقررہ کے بننے پر موقوف ٹھیرا یا بالفاظ دیگر یون کہیے کہ قفل ابجد کا وا ہونا دررہن سخن ٹھیرا ۔۱۲ غالب اپنی خاطر وابستہ کو بھی اس قفل ابجد سے مشابہ کر کے کہتا ہے کہ میری گرفتہ خاطری کا علاج شغل شعر و سخن ہے۔

سلہ چونکہ مین حسرت و یاس کی لذت کا مشتاق ہون اس لیے میری آرزو سے شکست آرزو مراد ہے کیونکہ بغیر شکست آرزو کے لذت حسرت کیونکر مل سکتی ہے ۔۱۲

حضورِ شاہ مین اہلِ سخن کی آزمایش ہے
چمن مین خوشنوایانِ چمن کی آزمایش ہے

قد و گیسو مین قیس و کوہکن کی آزمایش ہے
جہان ہم ہین وہان دار و رسن کی آزمایش ہے

کرینگے کوہکن کے حوصلے کا امتحان آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمایش ہے

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعان کی ہواخواہی ؎۱
اُسے یوسف کے بوے پیرہن کی آزمایش ہے

وہ آیا بزم مین دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمایش ہے

رہے دل ہی مین تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمایش ہے

نہین کچھ سبحہ و زنار کے پھندے مین گیرائی
وفاداری مین شیخ و برہمن کی آزمایش ہے

پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل ؎۲
مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمایش ہے

رگ و پے مین جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمایش ہے

؎۳
وہ آوین گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنون مین اب چرخِ کہن کی آزمایش ہے

؎۱ نسیمِ مصر جو بوے یوسف اپنے ہمراہ لائی ہے وہ حضرت یعقوب کی ہواخواہی کی بنا پر نہین ہے بلکہ اس لیے ہے کہ بوے پیراہنِ یوسف کی آزمایش کرے کہ پیرِ کنعان پر اس کا اثر کہان تک ہوتا ہے ۱۲

؎۲ اس زلفِ پرشکن کے پیچ و خم ایسے نہین ہین کہ دل ان سے رہا ہو سکے۔ دلِ وابستہ کئی بار اس امر کا تجربہ کر چکا ہے۔ اب جو یہ بیتابی کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید پھر اسے "تابِ زلفِ پرشکن کی آزمایش ہے"۔ ۱۲

؎۳ نیا فتنہ یعنی اُن کے آنے کا فتنہ۔ ۱۲

کبھی نیکی بھی اس کے جی مین گر آجاے ہے مجھ سے
جفائین کر کے اپنی یاد شرما جاے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہون اور کھنچتا جاے ہے مجھ سے

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جاے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جاے ہے اُس سے نہ بولا جاے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جاے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی مین بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جاے کب یہ ظلم دیکھا جاے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پانوں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی | نہ بھاگا جائے ہے مجھسے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھسے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھسے

زبسکہ مشق تماشا جنون علامت ہے | کشاد و بست مژہ سیلی ندامت ہے [١]
نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی | تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے [٢]
بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ | نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے [٣]
وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد | جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے [٤]

[١] چونکہ تماشائے حسن کی مشق جنون کی علامت ہے اس لیے ہر وقت تماشا پلکوں کا کھلنا اور بند ہونا گویا سیلی ندامت کا پڑنا ہے ۔۱۲

[٢] خدا جانے طعن بدعہدی کا نشان کیونکر مٹے گا یعنی تو لاکھ آرایش و زیبایش کرے مگر اس داغ بدعہدی کے ہوتے ہوئے جب تو آرایش کے لیے آئینہ دیکھتا ہے تو وہ بھی تیرے لیے ورطۂ ملامت بن جاتا ہے ۔۱۲ آئینے کی تشبیہ ورطے سے ظاہر ہے اور آرایش چونکہ اغیار کے دکھلانے کے لیے کی جاتی ہے اس لیے اس سے بدعہدی لازم آتی ہے۔

[٣] یعنی سلامتی عاجزی اور کم ہوسی ہی میں ہے ورنہ ہوس کے ساتھ عافیت کا وجود ممکن نہیں ۔۱۲

[٤] محبوب اور رقیب کے معاملے کا ذکر بطور طعن کرتا ہے کہ بڑا ستم ہے کہ محبوب تو آمادہ وفا ہو اور دعوائے عشق جھوٹا ہو ۔ یہ تو اسی قسم کی بات ہوئی کہ بہار تو واقعی آئی ہو لیکن جنون میں بناوٹ ہو ۔۱۲

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے | میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم | وان تلک کوئی کسی حیلے سے پہونچا دے مجھے
منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بانداز عتاب | کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
یان تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں | زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھا دے مجھے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے | ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیمان مرے نزدیک | اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے ؎۱
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے ؎۲
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گذرے ہے میں رشک سے گذرا
کیونکر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلےٰ مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے ؎۳
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

؎۱ ترے ہوتے یعنی مجھ صحرا گرد کے ہوتے ۔ مرے آگے یعنی مجھ اشک بار کے ہوتے ۔

؎۲ یعنی جس طرح تو میرے آگے کشمکش حیا و شوخی کے ہاتھوں دل تنگ و مجبور ہو کر بیٹھا ہے اسی طرح میں تیرے پیچھے تنگ دل اور پریشان رہتا ہوں ۔۱۲

؎۳ ہجر میں وہ جو میں اکثر مرجانے کی آرزو کیا کرتا تھا وہ آرزو وصل کی شب میرے آگے آئی یعنی اس صورت سے کہ میں شادی مرگ ہو گیا ۔۱۲

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں ؎۱
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جاوے
نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں ؎۲
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنیے
جو نا سزا کہے اس کو نہ ناسزا کہیے

کہیں حقیقت جان کاہی مرض کہیے		کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے
کبھی شکایت رنج گران نشین کیجے		کہیں حکایت صبر گریز پا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجے		کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
نہیں نگار کو الفت نہو نگار تو ہے	سله	روانی روش و مستی ادا کہیے
نہیں بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے		طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہیے

سله یعنی اگر تم بطور طعن کہو گے کہ "ہم تو ستمگر ہیں" تو اس پر بھی میں حسب عادت کہوں گا کہ وہ بجا ہے" اس وقت خفا نہ ہونا ۔۱۲

سله اپنی ایذا دوستی کا اظہار کرتا ہے اور زخم تیغ کو زخم تیر پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ زخم تیغ بڑا اور کشادہ ہوتا ہے

سله یعنی اگر محبوب کو ہم سے الفت نہیں ہے تو اس سے اس کی محبوبی میں کیا فرق آسکتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے عیوب سے چشم پوشی کر کے صرف قابل تعریف باتوں کو لینا چاہیے ۔۱۲ اس کے بعد والے شعر کا مفہوم بھی یہی ہے ۔۱۲

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے		دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
صرف بہائے مے ہوئے آلات مے کشی	سله	تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے
رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم		بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر		پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا		آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ		کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

سله دو حساب یعنی اول یہ کہ شراب کے لیے قیمت کہاں سے آئے ۔ دوسرے یہ کہ ظروف مے کا جھگڑا کون رکھے ۔ سو یہ دونوں جھگڑے اس طرح طے ہوئے کہ آلات مے کشی کو فروخت کر کے شراب پی لی ۔۱۲

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب	۱؎	شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے
ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست	۲؎	واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

۱؎ نغمہ کو باعتبار روانی آواز جوئبار کہا اور شیشۂ مے کو باعتبار سبزی اس جوئبار کا سرو سبز قرار دیا اور اس حالت سرور میں نشے کو رنگ سے شاداب اور ساز کو نشۂ طرب سے سرشار ٹھیرایا ۱۲-

۲؎ یعنی میری نالہ کشی سے بھی بزم یار کا موجب نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی محفل عیش میں جا کر میرا نالہ بھی نغمہ بن جاتا ہے ۱۲-

عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے	۱؎	دعوئ جمعیت احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل	۲؎	یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
کلفت افسردگی کو عیش بے تابی حرام	۳؎	ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے
سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں	۴؎	دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

۱؎ مصرعۂ اولیٰ ثبوت مثالی ہے مصرعۂ ثانی کا ۱۲-

۲؎ یک جہاں زانو یعنی کثرت غنچے کا کھلنے کے بعد محو عبرت ہے کہ میرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے جو اور پھولوں کا ہوا عدم میں اس لئے کہ کھلنے سے پہلے غنچہ معدوم اور گل پیدا ہو گیا ۱۲-

۳؎ افسردگی کے ہوتے ہوئے عیش بیتابی حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بیتابی اسے ہنسانا اور خون جگر کھانا ایسی چیزیں محبت میں ہنسانے والی ہیں ۱۲-

۴؎ سوز دروں سے آنسو خشک ہو جاتے ہیں اور دل کا گریہ ظاہر نہیں ہونے پاتا۔ ورنہ حال یہ ہے کہ اگرچہ "لب آشنائے خندہ" ہے لیکن "دل محیط گریہ" ہے ۱۲ یعنی اگرچہ بظاہر میں خوش ہوں لیکن میرا باطن مبتلائے غم ہے۔

حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے	۱؎	آئینہ زانوے فکر اختراع جلوہ ہے
تاکجا اے آگہی رنگ تماشا باختن	۲؎	چشم وا گردیدہ آغوش وداع جلوہ ہے

۱؎ خریدار متاع جلوہ یعنی خواہشمند جلوہ گری۔ فکر اختراع جلوہ یعنی اس بات کی فکر کہ جلوہ گری کی خواہش کس صورت سے پوری ہو۔ آئینے کو اس فکر یعنی اختراع جلوہ کا زانو قرار دیا اس لحاظ سے کہ بوقت آرائش آئینہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن باوجودیکہ

بے پروا ہوتا ہے لیکن جلوہ گری کی فکر اس کو بھی رہتی ہے چنانچہ آئینہ گویا اس خواہش جلوہ گری کا زانو سے فکر ہوتا ہے ۔ ۱۲

سٹلہ چشم واگردیدہ آغوش سے مشابہ ہے جو جلوۂ ناپائدار کو رخصت کرنے کے لیے کھلی ہے غالب "آگاہی" سے پوچھتا ہے کہ تو کب تک مصروف تماشائے جلوۂ ظاہر رہے گی ۔ ۱۲

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالم غبارِ وحشتِ مجنون ہے سر بسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

افسردگی نہین طرب انشائے التفات (خوشی پیدا کرنیوالی)
سلہ ہان درد بن کے دل مین مگر جا کرے کوئی (یعنی غالب کو)

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
سٹلہ کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
سٹلہ تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہین کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
سٹلہ نقصان نہین جنون سے جو سودا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہان کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
سٹلہ یہ درد وہ نہین کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائین تو پھر کیا کرے کوئی

حسن و فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

سلہ سراپا درد بن جانے سے ممکن ہے کہ اس کے دل مین جگہ ہو سکے ورنہ افسردہ خاطر ہو کر بیٹھ رہنے سے التفاتِ یار کی امید فضول ہے۔

سٹلہ یعنی جب چاکِ جگر سے کچھ نہ حاصل ہوا تو اب گریبان دری سے بجز رسوائی اور کیا ہاتھ آئے گا۔

سٹلہ صحرا مین چونکہ سیر سے دل و جگر کے ٹکڑے ہر کانٹے مین چھدے پڑے ہین اس لیے ہر خار رشکِ گل کی اور جنگل مین چمن کی صورت نمایان ہوگئی ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اس صحرائے گلشن نما کی کب تک کوئی باغبانی کرے ۔ ۱۲

سلہ جنون سے معاملہ کرنے مین نقصان نہین کیونکہ ہر سنگ وخشت (جو لڑکے دیوانون کو مارتے ہین) گویا ایک صدف ہے جس سے گوہر شکست حاصل ہوتا ہے - اس معاملے کی سودمندی کی حقیقت ظاہر ہے -

سلہ ایجاد کی طبیعت مین جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی ہم وحشی طبع لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہین اور اس طرح پر گویا مایوس ہونے پر مجبور ہین -

ابن مریم ہوا کرے کوئی		میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	سلہ	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر		دل مین ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر وان زبان کٹتی ہے		وہ کہین اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہون جنون مین کیا کیا کچھ		کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی		نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی		بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہین ہے حاجتمند		کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے		اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیون کسی کا گلا کرے کوئی

سلہ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی" جو بے تلوار کے قتل کرتا ہو اور جس پر حد شرعی نہ جاری ہو سکتی ہو یا یہ کہ جس پر بسبب نزاکت حسن کوئی حد شرعی کا جاری کرنا گوارا نکرتا ہو ۱۲

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے		غلام ساقی کوثر ہون مجھ کو غم کیا ہے
تمھاری طرز و روش جانتے ہین ہم کیا ہے	سلہ	رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

سخن مین خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس مین دم کیا ہے

سلہ یعنی رقیب پر جو تمھارا لطف ہے وہی مجھ پر ستم ہے ۱۲

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے (اس قدر)		سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہر تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم (۱) | ہون مین وہ سبزہ کہ زہراب اُگاتا ہے مجھے
مدعا محو تماشاے شکست دل ہے (۲) | آئینہ خانہ مین کوئی لیے جاتا ہے مجھے
نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کف خاک (۳) | آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی مین تو وہ محفل سے اُٹھا دیتے تھے | دیکھون اب مرگئے پر کون اُٹھاتا ہے مجھے

(۱) مطلب یہ ہے کہ جس طرح جوہر تیغ کی نمود تلوار کو زہراب مین بجھانے سے ہوتی ہے اسی طور پر میری سرشت غم و غصے سے ہے ۔۱۲

(۲) حصول مدعا سے دل ٹوٹ گیا تو مدعا دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑون کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ دل آئینہ تھا جب وہ ٹوٹا تو بہت سے آئینے پیدا ہوگئے اور آئینہ خانہ بن گیا (مولوی علی حیدر صاحب)

(۳) قمری کا رنگ خاکی ہوتا ہے اس لیے آسمان کو بیضۂ قمری کہا جس مین ایک مشت خاک کے سوا (یعنی عالم کے سوا) جسے دار المحن بھی کہتے ہین اور کچھ نہین ہے ۔۱۲

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی | اترائے کیون نہ خاک سر رہگذار کی
جب اس کے دیکھنے کے لیے آئین بادشاہ | لوگون مین کیون نمود نہ ہو لالہ زار کی
بھوکے نہین ہین سیر گلستان کے ہم ولے | کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے | بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیون میرا قاتل کیا رہیگا اس کی گردن پر | وہ خون جو چشم تر سے عمر بھر یون دمبدم نکلے
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہین لیکن | بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
بھرم کھل جاے ظالم تیری قامت کی درازی کا | اگر اس طرۂ پرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط تو ہم سے لکھوائے (۱) | ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
ہوئی اس دور مین منسوب مجھ سے بادہ آشامی | پھر آیا وہ زمانہ جو جہان مین جام جم نکلے
ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی | وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
محبت مین نہین ہے فرق جینے اور مرنے کا | اُسی کو دیکھکر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے

کہان میخانے کا دروازہ غالب اور کہان واعظ
پر اتنا جانتے ہین کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

لے مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے" اور ہم اس کا مضمون معلوم کر لیں کہ لوگ اسے کیا لکھواتے ہیں ۔۱۲

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس	سلہ	بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

سلہ شرار سے پوچھتا ہے کہ اگر ہم صدا ہو جائیں گے تو بھی "کوہ کے بار خاطر ہوں گے" پھر ہم کو کیا ہو جانا چاہیے اور اس انداز سوال سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں بھی شرر کے مانند بے تکلف دم بھر میں جل بجھ کر فنا ہو جانا چاہتا ہوں ۱۲ صدا کا کوہ کے بار خاطر ہونا اس طرح پہ نکلتا ہے کہ آواز پہاڑ سے ٹکرا کر واپس چلی آتی ہے پہلے مصرعے میں "ہوں" کے ساتھ "ہو جائیے" درست نہیں ہے ۱۲

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو	سلہ	موج شراب یک مژہ خوابناک ہے جیب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

سلہ	جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد صحرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہے

سلہ موج شراب کو چشم ساغر کی مژہ خواب آلود قرار دیا اور اس کی خوابناکی کا سبب یہ بتایا کہ مستی شراب کو بھی ساقی کی ادائے تغافل نے مست و بے خود بنا رکھا ہے ۱۲

سلہ "کچھ نظر آتا نہیں" یعنی سب بے حقیقت نظر آتا ہے ۔۱۲

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی	سلہ	قیامت کشتۂ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہے
آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے	سلہ	نقش پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے
بزم مے وحشت کدہ ہے کس کی چشم مست کا	سلہ	شیشے میں نبض پری پنہاں ہے موج بادہ سے

سلہ لب عیسیٰ کی جنبش سے مردے جی اٹھتے ہیں لیکن لعل لب محبوباں کے کشتوں کی نیند اس غضب کی ہے کہ اس سے بجائے زندہ ہونے کے ان کی غفلت اور بھی بڑھتی جاتی ہے ۔۱۲

سلہ نقش پا صورت میں کان سے اور جادہ بسبب درازی انگلی سے مشابہ ہوتا ہے گویا شور طوفان کی وجہ سے جادہ نے کان میں انگلی دے لی ہے ۔

سلہ بزم مے اس کی چشم مست کے اثر سے یکسر وحشت کدہ بن گئی ہے ۔ وہاں کی ہر چیز سے وحشت نمودار ہے

مثلاً شیشے میں بصورت موج بادہ گویا نبض پری پنہاں ہے۔ موج بادہ کو نبض پری سے مشابہ کرکے اس کی وحشت کا اظہار کیا ہے۔ ۱۲

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا	۱	مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

۱ یعنی میں تمنا اس لیے نہیں کرتا ہوں کہ وہ پوری ہی ہو بلکہ محض اس غرض سے کہ دیکھوں اس میں کیا کیفیت ہے۔

سیاہی جیسے گر جاوے دم تحریر کاغذ پر		مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی
ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے	۱	خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے
تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطف بدخویاں		نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے
ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی		کہ صبح عید مجھکو بدتر از چاک گریباں ہے
دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے	۲	کہ اس بازار میں ساغر متاع دستگرداں ہے
غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو	۳	چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجاں ہے

۱ حیرت عاجز۔ یعنی عاجز حیرت۔ ہجوم نالہ اس بات سے عاجز ہے کہ حیرت کی وجہ سے آہ و فغاں ناممکن ہے۔ چنانچہ خموشی جو لازمہ حیرت ہے اس عجز کا اظہار کر رہی ہے۔ ۱۲ خس بدنداں ہونے سے اظہار عجز مراد ہے اور ریشہ نیستاں اس لحاظ سے آیا ہے کہ نیستاں کی بھی بعینہٖ یہی حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس سے ہزاروں بانسلیاں بن سکتی ہیں اور اس لیے اس کو لاکھوں نالہائے ناکشیدہ کا مجمع کہہ سکتے ہیں لیکن بصورت ظاہر ریشہائے نیستاں مشابہ بخس ہوتے ہیں اور خموشی نیستاں خس بدنداں نظر آتی ہے۔

۲ متاع دستگرداں نقد بکا کرتی ہے ۱۲۔ ساغر کے لیے دست گرداں کا لفظ خوب ہے۔

۳ قلزم صرصر کا مرجاں ہے" یعنی آغوش بلا میں تربیت پاتا ہے ۱۲ جس طرح مرجان کی پرورش سمندر میں ہوتی ہے۔

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے	۱	نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے
فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم	۲	صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے
نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آب تیغ نگاہ	۳	کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہے

۱ تماشا ادا یعنی انداز تماشا دکھانے والی۔ یہاں تماشا ادا نگاہ کی صفت ہے۔ سرمہ کھا لینے سے

چونکہ آواز بیٹھ جاتی ہے اس لیے سرمے کو خاموشی سے ایک قسم کا تعلق سمجھ کر غالب نے نگاہ یار کی نسبت کہا کہ وہ اس کے دل ہی سے بربنائے خاموشی سرمہ آلود ہو کر نکلتی ہے۔۱۲ واللہ اعلم۔

۴۹ غنچے کو تنگی خلوت کے فشار سے جو پسینہ آجاتا ہے اسی کا نام شبنم ہے۔۱۲

۵۰ جس دروازے سے وہ جھانکتا ہے اس میں روزن نہ سمجھو بلکہ تیغ نگاہ نے زخم ڈال دیا ہے اور زخم بھی ایسا گہرا جس میں سے ہوا نکلتی ہے پھر سینۂ عاشق کی کیا حقیقت ہے جس زخم سے ہوا نکلے اور سانس دینے لگے وہ ضرور مہلک ہوتا ہے۔ (از شرح مولوی علی حیدر صاحب)

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے	۵۱	نافہ دماغ آہوئے دشت تتار ہے
کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	۵۲	آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگئ جا سے غبار شوق	۵۳	گر دام یہ ہے وسعت صحرا شکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ		نظارے کا مقدمہ پھر روبکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب	۵۴	اے عندلیب وقت وداع بہار ہے
پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے		وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سوئے وادی مجنوں گذر نہ کر		ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے
اے عندلیب یک کف خس بہر آشیاں		طوفان آمد آمد فصل بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی		اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

۵۵

غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط
اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۵۱ نسیم سے بوئے زلف لے کر آہوئے تتار کا دماغ نافہ بن گیا ہے۔۱۲

۵۲ دیار انتظار میں ہر طرف آئینے کا فرش کس کے لیے کیا گیا ہے۔ یعنی حیرت کو کس کے جلوے کا انتظار ہے

۵۳ تنگئ جا کی وجہ سے غبار شوق بس کر اور بھی ذرہ ذرہ ہو گیا ہے یہ ذرے پھیل کر دام بن جائیں گے اور وسعت صحرا اس دام کا شکار ہو گی یعنی وہ دام تمام صحرا پر چھا جائے گا۔۱۲

۵۴ ایران میں یہ ایک رسم ہے کہ آئینے پر پانی چھڑکتے ہیں تاکہ مسافر بخیریت واپس آئے۔

۵۵ غفلت کی یہ حالت کہ کبھی عمر کے ختم ہونے کا خیال ہی نہیں آتا اور پھر یہ یقین کہ ہمیشہ عیش و عشرت ہی

مین گذریگی - پس جب ناگہانی تباہی کے یہ اسباب موجود ہین تو پھر اب مرگ ناگہان کو کس بات کا انتظار ہے

آئینہ کیون نہ دون کہ تماشا کہین جسے
ایسا کہان سے لاؤن کہ تجھ سا کہین جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال مین [۱]
گلدستۂ نگاہ سویدا کہین جسے

پھونکا ہے کس نے گوش محبت مین ای خدا
افسون انتظار تمنا کہین جسے

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہین جسے

ہے چشم تر مین حسرت دیدار سے نہان
شوق عنان گسیختہ دریا کہین جسے

درکار ہے شگفتن گلہاے عیش کو [۲]
صبح بہار پنبۂ مینا کہین جسے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہین جسے

[۱] حسرت نے تیری بزم خیال مین (یعنی میرے دل مین) ایک گلدستہ نگاہ لا رکھا جس کو سب سویدا کہتے ہین
مطلب یہ ہے کہ سویدا گویا حسرت بھری نگاہون کا ایک گلدستہ ہے - ۱۲

[۲] گلہاے عیش کے کھلنے کے لیے پنبۂ مینا صبح بہار کا کام دیتا ہے - سپیدی پنبہ کو سپیدۂ صبح سے مشابہ کیا ہے - ۱۲

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغ دل بے درد نظرگاہ حیا ہے [۱]

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار
آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے [۲]

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے [۳]

تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے [۴]

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے [۵]

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے [۶]

مجبوری و دعواے گرفتاری الفت
دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے [۷]

معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ
تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے [۸]

اے پرتو خورشید جہان تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہے [۹]

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

۱؎ گل لالہ پر شبنم کے قطرے نہین بلکہ عرق شرم ہے ۔ لالے کو شرم اس بات کی ہے کہ اس کے دل مین داغ تو ہے لیکن درد نہین ہے ۔۱۲ مذہب عشق مین داغ بے درد کا موجب شرم ہونا مسلم ہے ۔

۲؎ دل اور آئینے کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے کہ ایک ہمارا دل ہے جو "خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار" ہے اور ایک آئینہ ہے جو اس بت بدست حنا کے ہاتھ مین ہے ۔۱۲ ۔ یا یہ کہ دل حسرت دیدار مین خون ہوکر بصورت حنا اس کے ہاتھ مین آئینہ بن گیا ہے ۔۱۲

۳؎ افسردگی دل پر جی اس قدر جلا ہے کہ سوزش دل سے بھی اتنا نہ جلتا ۔ پس گویا "شعلے سے نہوتی الخ"

۴؎ تیری تصویر مین کس قدر شوخی وخوبی ہے کہ آئینہ اس کے لینے کے لیے گل کے مانند آغوش کھولے ہوے ہے ۔۱۲

۵؎ جگر سوختہ کا کوئی نشان سواے نالے کے باقی نہین ہے ۔ پہلا مصرعہ بطور تمہید لکھا ہے کہ جس طرح قمری عشق سرو مین ایک کف خاکستر اور بلبل عشق گل مین صرف رنگ ہی رنگ رہ جاتی ہے اسی طرح ہمارے جگر سوختہ کا کوئی نشان بجز نالے کے باقی نہین رہا ہے ۔۱۲ قفس بمعنی سبد ۔

۶؎ بے حوصلگی یہ کہ ہمارا جوش شوق اور وحشت محبوب کو گوارا نہین ہے حالانکہ معشوقی کا اقتضا یہ تھا کہ وہ ان باتون کو پسند کرتا ۔۱۲

۷؎ مصرعۂ ثانی مصرعۂ اول کی مثال ہے مطلب یہ ہے کہ بحالت مجبوری دعواے محبت ایسا ہی ہے جیسے کسی کا ہاتھ پتھر کے نیچے دبا ہوا اور نکل نہ سکتا ہو لیکن کہنے کو یہ ہو جاے کہ پیمان وفا نباہا جا رہا ہے ۔۱۲

۸؎ تیغ ستم کو ایک آئینہ تصویر نما قرار دیا جس مین شہیدان گذشتہ پر جو کچھ جور وستم گذر گیا ہے اس کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہے ۔۱۲

۹؎ جو گناہ ہم سے سرزد ہوے ہین ان کی بابت اگر ہم کو سزا دی جاتی ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت ہم نہین کر سکے اور جن کی حسرت دل مین رہ گئی ان کی داد بھی ملنا چاہیے ۔ داد یہ کہ ان ناکردہ گناہون کے کرنے کی قدرت بھی عطا ہو ۔۱۲

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی	۱؎	قسمت کھلی ترے قد ورخ سے ظہور کی
اک خون چکان کفن مین کرورون بناؤ ہین		پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدون پہ حور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو		کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا سلہ
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

سلہ تجلی نور کو اپنے اظہار کے لیے تیری شکل منظور تھی یعنی وہ تیری شکل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی تیرے قد و رخ سے ظہور کی قسمت کھلی کہ اب ان میں تجلی نور ظاہر ہوئی ۔۱۲

سلہ لڑتا ہے یعنی اس بات پر کہ ہمارا کشتہ ہو کر آواز صور پر کیوں اٹھا ۔۱۲

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

سلہ ہیں اہل خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

سلہ اہل خرد رہ و رسم عام کے پابند ہیں پھر کس روش خاص پر ناز کرتے ہیں ۔۱۲ یعنی کیا اسی کا نام روش خاص ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے سلہ
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسون ہوے ہین چاک گریبان کیے ہوے

پھر گرم نالہاے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیر چراغان کیے ہوے

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق ۵۲
سامان صد ہزار نمکدان کیے ہوے

پھر بھر رہا ہون خامۂ مژگان بخون دل ۵۳
ساز چمن طرازی دامان کیے ہوے

باہمدگر ہوئے ہین دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوے

دل پھر طواف کوے ملامت کو جائے ہے ۵۴
پندار کا صنمکدہ ویران کیے ہوے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاع عقل و دل و جان کیے ہوے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستان نگاہ کا سامان کیے ہوے

پھر چاہتا ہون نامۂ دلدار کھولنا
جان نذر دلفریبی عنوان کیے ہوے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشان کیے ہوے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل مین آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگان کیے ہوے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستان کیے ہوے

پھر جی مین ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہین
سر زیر بار منت دربان کیے ہوے

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہین تصور جانان کیے ہوے

غالب ہمین نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہین ہم تہیۂ طوفان کیے ہوے

۵۱ یعنی شراب روشن کا ہر ایک جام گویا چراغ تھا۔۱۲

۵۲ یعنی عشق پھر زخم دل پر نمک چھڑکنے چلا ہے۔۱۲

۵۳ مژگان کا قلم ہے اور خون دل کی روشنائی جس سے صفحۂ دامن پر گلکاریان ہونگی۔۱۲

۵۴ پندار یعنی خودداری یعنی خودداری کو ترک کر کے اب دل پھر کوے ملامت کو جائے ہے۔۱۲

نوید امن ہے بیداد دوست جان کے لیے ۵۵
رہے نہ طرز ستم کوئی آسمان کے لیے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خون ہے
رکھون کچھ اپنی بھی مژگان خون فشان کے لیے

وہ زندہ ہم ہین کہ ہین روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاودان کے لیے

رہا بلا مین بھی مین مبتلائے آفت رشک [2] بلائے جان ہے ادا تیری اک جہان کے لیے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ مین ہی نہین دراز دستیِ قاتل کے امتحان کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر کرے قفس مین فراہم خس آشیان کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے [3] اُٹھا اور اُٹھ کے قدم مین نے پاسبان کے لیے

بقدر شوق نہین ظرف تنگنائے غزل کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیش تجمل حسین خان کے لیے

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میری نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

نصیر دولت دین اور معین ملت و ملک بنا ہے چرخ برین جس کے آستان کے لیے

زمانہ عہد مین اس کے ہے محو آرایش [4] بنین گے اور ستارے اب آسمان کے لیے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بیکران کے لیے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے

[1] بیداد دوست نے کوئی ستم آسمان کے لیے باقی نہین رکھا ہے اس لیے اب جان جور آسمان سے بے خوف ہو گئی ہے-۱۲

[2] رشک اس بات کا کہ ادا تیری بلا سہی لیکن وہ دوسرون کے لیے بلائے جان بھی کیون ہے-۱۲

[3] یعنی پہلے وہ گدا سمجھ کے خاموش تھا لیکن میری جو شامت آئی تو مین اس کے قدمون پر گر پڑا جس سے وہ مجھ کو جان گیا اور مجھے اپنے روبرو نہ رہنے دیا-۱۲

[4] تجمل حسین خان کے نام مین تجمل کی رعایت سے کہا کہ اس کے زمانے مین اک عالم آرایش مین مصروف ہے پس کیا عجب ہے کہ زہرہ و مشتری کی طرح اب آسمان کے لیے اور ستارے بھی بن جائین-۱۲ فقط

تمام شد

آغازِ قصائد

قصیدۂ اول

"در منقبت"

ساز یک ذرہ نہین فیض چمن سے بیکار ۔ ۱ ۔ سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

مستی باد صبا سے ہے بعرض سبزہ ۔ ۲ ۔ ریزۂ شیشۂ مے جوہر تیغ کہسار

سبز ہے جام زمرد کی طرح داغ پلنگ ۔ ۳ ۔ تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

مستی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت ۔ ۴ ۔ کہ اس آغوش مین ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموری شوق بلبل ۔ ۵ ۔ راہ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیض ہوا صورت مژگان یتیم ۔ ۶ ۔ سرنوشت دو جہان ابر بیک سطر غبار

کاٹ کر پھینکئے ناخن تو باندازۂ ہلال ۔ ۷ ۔ قوت نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کف ہر خاک بگردون شدہ قمری پرواز ۔ ۸ ۔ دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدے مین ہو اگر آرزوے گل چینی ۔ ۹ ۔ بھول جا یک قدح بادہ بطاق گلزار

موج گل ڈھونڈھ بخلوت کدۂ غنچۂ باغ ۔ ۱۰ ۔ گم کرے گوشۂ میخانہ مین گر تو دستار

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر ۔ سبزہ مثل خط نوخیز ہو خط پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ ۔ ۱۱ ۔ طوطی سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا ۔ چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور ۔ ۱۲ ۔ رشتۂ فیض ازل ساز طناب معمار

سبزۂ نہ چمن و یک خط پشت لب بام ۔ ۱۳ ۔ رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

وان کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرکاہ ۔ وہ رہے مروحۂ بال پری سے بیزار

خاک صحرائے نجف جوہر سیر عرفا ۔ ۱۴ ۔ چشم نقش قدم آئینۂ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز	۱۵	گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار
آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز	۱۶	عرض خمیازۂ ایجاد ہے ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار	۱۷	دل پروانہ چراغان پر بلبل گلزار
شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز	۱۸	ذوق مین جلوے کے تیرے بہوائے دیدار
تیری اولاد کے غم سے ہے بروے گردون	۱۹	سلک اختر مین مہ نو مژہ گوہر بار
ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز	۲۰	ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار
مدح مین تیری نہان زمزمۂ نعت نبی		جام سے تیرے عیان بادۂ جوش اسرار
جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر	۲۱	یک طرف نازش مژگان و دگر سو غم خار
مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ	۲۲	خاک در کی تری جو چشم نہو آئینہ دار
دشمن آل نبی کو بطرب خانۂ دہر		عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار

دیدہ تا دل اسد آئینۂ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

۱ کہتا ہے کہ فیض چمن سے چمن کا ایک ذرہ بھی بےکار نہین ہے حتی کہ لالے کا سایہ بھی گویا بہار کے دل کا سویدا ہے ۔ بےکار نہین ہے ۔۱۲

۲ کہسار کو تیغ قرار دیا اور سبزۂ کہسار کو جوہر تیغ پھر اس جوہر تیغ کی تیزی کی توجیہ اس طرح کی کہ بادِ صبا کی مستی کے اثر سے سبزہ گویا ریزۂ مینائے مے بن گیا ہے ۔۱۲ ۔ لطف یہ ہے کہ قلعہ کوہ کو تیغ کوہ کہتے بھی ہین ۔

۳ تاثیر بہار کا ذکر کرتا ہے کہ چیتے کے سیاہ داغ جام زمرد کے مانند سبز ہوگئے ہین اور شرار تیشۂ تاک کی طرح تازہ ہوگیا ہے ۔۱۲ ۔

۴ مستی ابر سے حسرت بھی طرب اندوز ہو رہی ہے یعنی اس لیے کہ اس کیفیت مین غمہائے دو عالم کا فراموش ہوجانا ممکن ہے ۔

۱۰۵ راہین جو گویا سوئی ہوئی تھین - یعنی جن پر کسی کا گذر نہ ہوا تھا اب وہ پھولون کے چٹکنے اور کھلنے سے گویا بیدار ہوگئی ہین - اور کثرت گل کی بنا پر وہ صحرا بلبلون کے ہجوم شوق سے معمور ہین -

۱۰۶ جس طرح یتیم کی مژگان خاک آلودہ سے مدتون دریاے اشک جاری رہتا ہے اسی طرح فیض ہواے آج کل آسمان پر جو ذرا سا بھی غبار نظر آتا ہے اس مین ابر کثیر کی سی قابلیت بارش ہوتی ہے - ۱۲

۱۰۷ قوت نامیہ کا یہ اثر ہے کہ اگر ناخن کاٹ کر پھینکا جائے تو وہ ہلال کی طرح بڑھ کر بدر ہو جائے - ۱۲

۱۰۸ کہتا ہے کہ بہار نے گویا ہر شے مین جان ڈال دی ہے ہر کف خاک قمری بن گئی ہے اور ہر کاغذ آتش زدہ کا دام طاؤس کا شکار کرتا ہے یعنی خود بصورت طاؤس ہو جاتا ہے "بگردون شدہ" خاک کی صفت ہے اس کو قمری کہا کیونکہ اس کا رنگ بھی خاکی ہوتا ہے کاغذ کو آگ دکھانے سے اس مین بہت سے نقطہاے روشن پیدا ہو جاتے ہین اور وہ دام طاؤس سے مشابہ ہو جاتا ہے - ۱۲

۱۰۹ اگر تجھکو میکدے مین گل چینی کی آرزو ہو تو طاق گلزار مین ایک قدح شراب کا رکھکر بھول جا - نشو و نماے بہار کے اثر سے اُس ایک قدح کے ہزارون قدح ہو جائین گے - اور گلزار مین مے کدہ پیدا ہو جائے گا - ۱۲

۱۱۰ یعنی ہواے بہار کی تاثیر گوشہ میخانہ کو غنچہ باغ کا خلوت کدہ یعنی گوشہ باغ اور دستار کو موج گل بنا دے گی - ۱۲

۱۱۱ سبزہ کوہسار کو طوطی اور پہاڑون سے جو لعل نکلتا ہے اُس کو منقار طوطی قرار دے کر کہتا ہے کہ یہ طوطیِ سرخ منقار تیری مدحت سرائی کے لیے پیدا ہوئی ہے -

۱۱۲ اس قصر کی تعمیر کے لیے عرش گویا دوش مزدور کا خم ہے اور رشتۂ فیض ازل گویا معمار کی ڈوری ہے جس سے وہ دیوار کی کجی و راستی کا اندازہ کرتا ہے - ۱۲

۱۱۳ یعنی ممدوح کی پشت لب بام کا ایک خط سبزۂ نہ چمن کے برابر ہے اور اس کا حصار عارفون کی ہمت کے برابر بلند ہے سبزۂ نہ چمن استعارہ نو آسمانون سے ہے اور حرف عطف دونون مصرعون مین مساوات کے لیے ہے

۱۱۴ بحالت زیارت نجف صحراے نجف کی خاک عارفون کی سیر کا جوہر ہوتی ہے اور اس خاک پر جو نقش قدم پیدا ہوتے ہین وہ گویا آئینہ ہوتے ہین جس مین بخت بیدار کی صورت نظر آتی ہے - ۱۲

۱۱۵ گرد نجف کا ہر ذرہ آفتاب کے لیے آئینہ ناز ہے اور دشتِ نجف کی گرد نسبت نجف کی وجہ سے امید کے لیے فصل بہار کا جامۂ احرام ہے - ۱۱

۱۷۱ ایجاد کو اس خاک پاک کی آفرینش پر ناز ہے۔ پس نجف کی ہر موج غبار گویا آفرینش و ایجاد کی انگڑائی ہے جس کے ذریعے وہ بزبانِ حال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کو اس شراب فخر و ناز (یعنی نازِ ایجادِ نجف) کی پھر خواہش ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سرزمین کو پیدا کر کے آفرینش کو بار بار ناز ہوتا ہے۔ ۱۲

۱۷۲ تیرے فیض نے پروانے کے دل کو چراغان اور بلبل کے پر و بال کو گلزار بنا دیا ہے یعنی ہر ایک کے مقاصد حاصل ہو گئے ہیں۔ ۱۲

۱۷۳ یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کے ذوق اور تب سے دیدار کی خواہش میں مثل طاؤس پرواز کرتا ہے۔ ۱۲

۱۷۴ حسنین علیہما السلام کے غم میں مہ نو کو قرہ اور ستاروں کو سلک اشک قرار دیا۔ ۱۲

۱۷۵ تیرا نقش پا عبادت کے لیے سجدہ گاہ ہے اور ریاضت کو تیرے حوصلے کی مثال سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ۱۲

۱۷۶ دست دعا کو آئینہ، اور تاثیر کو اس آئینے کا جوہر قرار دے کر کہتا ہے کہ یہ تاثیر دعا مژگان خون فشاں کے لیے مایۂ نازش ہے اور خار حسرت کے لیے موجب ملال۔ مطلب یہ ہے کہ تیری دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے اور اس لیے اس کی تاثیر مژگان کے لیے (جو قبولیت دعا کے لیے خون فشاں ہوتی ہیں) باعث ناز اور خار غم کے لیے موجب ملال ہے۔

۱۷۷ جو آنکھ تیرے خاک در کی آئینہ دار نہ ہو وہ اقبال نگاہ کا عزا خانہ ہو جائے۔ ۱۲۔ اقبال نگاہ سے بختمندی و کامگاری نگاہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس آنکھ کو کبھی کامگاری نگاہ نصیب نہ ہو۔ مردمک چشم کی سیاہی کے لحاظ سے آنکھ کو عزا خانۂ اقبال نگاہ کہا۔ ۱۲

۱۷۸ دشمن آل نبی کے حق میں طرب خانۂ دہر کا ہر طاق دیوار عرض خمیازۂ سیلاب ہو جائے یعنی کبھی اس کو خرمی نصیب نہ ہو۔ ۱۲۔ طاق میں جو خم ہوتا ہے اس کی بنا پر اسے خمیازۂ سیلاب سے مشابہ کیا ہے۔

۱۷۹ آنکھ سے لیکر دل تک ایک پرتو شوق کا آئینہ ہے اور فیض معنے سے راقم حروف کا ساغر سرشار ہے ۱۲۔ یعنی میں ہمہ تن شوق ہوں اور فیض منقبت علیؑ سے میری تحریر لبریز ہے۔ ۱۲

قصیدہ

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں ۔ ۵۱ ۔ ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

بیدلیہاے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق ۔ ۵۲ ۔ بیکسی ہاے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم ۔ ۵۳ ۔ لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں

نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت ۔ ۵۴ ۔ سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم ۔ ۵۵ ۔ دردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم ۔ ۵۶ ۔ صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکیں

عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزاے حواس ۔ ۵۷ ۔ وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں

کوہکن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب ۔ ۵۸ ۔ بے ستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز ۔ کس نے پایا اثرِ نالۂ دلہاے حزیں

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن ۔ نہ سر و برگِ ستایش نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ ۔ یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر ۔ ۵۹ ۔ یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل ۔ قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرمِ خرام ۔ ۶۰ ۔ ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اس کا جس جا ۔ وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

نسبتِ نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے ۔ ۶۱ ۔ ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا ۔ بوے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

برشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا ۔ ۶۲ ۔ قطع ہو جاے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے ۔ ۶۳ ۔ رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا ۔ ۶۴ ۔ وصیِ ختمِ رسل تو ہے بفتواے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر ۔ نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب	۱۵	شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین
آستان پر ہے ترے جوہر آئینۂ سنگ	۱۶	رقم بندگی حضرت جبریل امین
تیرے در کے لیے اسباب نثار آمادہ		خاکیون کو جو خدا نے دیے جان و دل و دین
تیری مدحت کے لیے ہین دل و جان کام و زبان		تیری تسلیم کو ہین لوح و قلم دست و جبین
کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا		کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس برین
جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد		کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہین
شوخی عرض مطالب مین ہے گستاخ طلب		ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقین
دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسن قبول		کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمین
غم شبیر سے ہو سینہ یہان تک لبریز		کہ رہین خون جگر سے مری آنکھین رنگین
طبع کو الفت دلدل مین یہ سرگرمی شوق	۱۷	کہ جہان تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبین
دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا	۱۸	نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعدا اثر شعلۂ دود دوزخ
وقف احباب گل و سنبل فردوس برین

۱ مسئلۂ وحدت وجود کی بنا پر کہتا ہے کہ دنیا کی ہر شے مین جلوۂ حق نمودار ہے اگر اس کو اپنا جلوہ خود دیکھنا منظور نہ ہوتا تو کوئی چیز ظہور مین نہ آتی ۔۱۲

۲ تماشے یعنی نظارے کی نسبت کہتا ہے کہ وہ اس بے دلی کے ساتھ کیا گیا کہ نہ اس سے ذوق حاصل ہوا نہ عبرت علی ہذا القیاس تمنائی بے کسی کی نسبت افسوس کرتا ہے کہ وہ نہ دنیا کے متعلق ہے نہ دین کے ۱۲

۳ وجود باری تعالی کے سوا اشیا کے وجود و عدم کی نسبت یا جنون و تمکین کے فرق کے متعلق گفتگو کرنا فضول ہے ۔

۴ نقش معنی گویا عرض صورت کا خمیازہ ہے اور سخن حق گویا ذوق تحسین کا پیمانہ ہے ۔۱۲
مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بظاہر "معنے" کے درپے ہین وہ درحقیقت اظہار صورت کے خواہش مند ہین یعنی آج کل معنی شناسی صورت شناسی سے زیادہ نہین ہے ـ علی ہذا القیاس جو لوگ امر حق کے اظہار مین بے باک نظر آتے ہین ان کا مطلب بھی صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کی تعریف کرین ۔۱۲

۵ معاملات دنیا مین دعوائے دانش غلط ہے اور امور دین مین نفع عبادت کی امید فضول حقیقت یہ ہے

کہ دنیا و دین دونوں ایک ساغر غفلت کی دُرد ہیں -۱۲

۶ دنیا کی ہجو کرتا ہے کہ یہاں تسلیم و رضا سے اسی طرح کچھ فائدہ نہیں ہوتا جس طرح وفا سے اور تمکین کو اسی طرح سے ذلت حاصل ہوتی ہے جس طرح نقش قدم خاک بسر ہوتا ہے -۱۲

۷ اختلال حواس کا نام عشق ہے - اور وصل زنگار ہے حسن یقین کے آئینے کا - یعنی اگر یقین کامل ہوتا تو وصل ظاہر کی ضرورت ہی نہ ہوتی -۱۲

۸ کوہکن کی نسبت کہتا ہے کہ اپنے رقیب خسرو کی عشرت گاہ کا نرد ور تھا - یعنی کچھ نہ تھا اور کوہ بے ستون تغافل شیریں کی تصویر تھا -

۹ یعنی دفع وسواس کے لیے یا قلی کا ورد کر اور لاحول کا نقش لکھ -۱۲ یہاں نقش سے تعویذ مراد ہے مثلاً ۱۵ کا نقش ۲۱ کا نقش -

۱۰ ایجاد کی رعایت سے کہتا ہے کہ وہ سرمایۂ ایجاد جہان خرام کرے وہاں کی ایک مشتِ خاک سے کرۂ زمین بن سکتا ہے -۱۲

۱۱ ابوتراب کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں لفظ تراب موجود ہے جس کے معنی خاک کے ہیں اور زمین کو خاک سے نسبت ہے - پس غالب کہتا ہے کہ اسی نسبت نام کے باعث زمین کے آگے پشت فلک ہمیشہ خم رہتی ہے -۱۲

۱۲ اس کی برش تیغ کے شہرۂ عام سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں سررشتۂ ایجاد و آفرینش ہی نہ قطع ہو جائے -

۱۳ اس کا جلوہ ایسا کفر کا مٹانے والا ہے جس سے بت خانۂ چین کی رونق رنگ عاشق کی طرح اڑ جاتی ہے رنگ کا ٹوٹنا اور رونق کا ٹوٹنا دونوں فارسی محاوروں کے ترجمے ہیں -۱۲

۱۴ دل و جان فیض رسانا یعنی اے فیض رسان دل و جان -

۱۵ یعنی خدا کے سوا اور کسی سے تیری مدح نہیں ہو سکتی شمع کی زینت و آئین بندی بجز شعلۂ شمع کے سوا اور کون کر سکتا ہے

۱۶ سنگ آستان ممدوح کو آئینہ قرار دیا ہے اور اس سنگ در پر حضرت جبریل کی جبین سائی کے جو نشان ہیں ان کو اس آئینے کا جوہر ٹھیرایا ہے -۱۲

۱۷ ”اس سے قدم اور مجھ سے زمین“ فارسی کا ترجمہ یعنی اس کا قدم ہو اور میری جبین -۱۲

۱۸ ”الفت نسب“ دل کی صفت ہے یعنی ایسا دل جس کو الفت سے نسبت ہو علیٰ ہذا القیاس سینۂ توحید فضا یعنی ایسا سینہ جس کی فضا توحید ہو یعنی توحید سے معمور ہو -۱۲

قصیدہ

ہاں مہ نو سنین ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

اڑ کے جاتا کہان کہ تارون کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
حبذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر مین تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

ایک مین کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیون چھپاتا ہے
مجھکو سمجھا ہے کیا کہین نمام

جانتا ہون کہ آج دنیا مین
ایک ہی ہے امید گاہ انام

مین نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہین ہے غلام

جانتا ہون کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بطرز استفہام

مہرِ تابان کو ہو تو ہو اے ماہ
قربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام

ق

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا
جز بہ تقریب عیدِ ماہِ صیام

جانتا ہون کہ اس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن ماہتاب بن مین کون
مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوے بخشش خاص
گر تجھے ہے امید رحمت عام

جو کہ بخشے گا تجھکو فرِ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مے گلفام

جبکہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکے قطع تیری تیزیِ گام

تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر
کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام

دیکھنا میرے ہاتھ مین لب ریز
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
زہر غم کر چکا تھا میرا کام
ہے ہی پھر کیون نہین ہے جان
بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے
کعبے مین جا بجائین گے ناقوس
اُس قدح کا ہے دور مجھکو نقد
بوسہ دینے مین اُن کو ہے انکار

اپنی صورت کا اک بلورین جام
توسن طبع چاہتا تھا لگام
تجھکو کس نے کہا کہ ہو بدنام
غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
کہ نہ سمجھین وہ لذت دشنام
اب تو باندھا ہے دیر مین احرام
چرخ نے لی ہے جس سے گردش وام
دل کے لینے مین جنکو تھا ابرام

چھیڑتا ہون کہ اُن کو غصہ آئے
کیون رکھون ورنہ غالب اپنا نام

سلہ ہر مہینے مین چاند دو دن چھپا کرتا ہے۔ اور تیسرے روز پھر نکلا کرتا ہے مثلاً اگر چھبیسوین تاریخ کو چھپتا ہے تو انتسوین کو اور اگر ستائیسوین کو چھپتا ہے تو پھر تیسوین تاریخ کو نکلتا ہے چنانچہ اسی لحاظ سے اکثر لوگ رمضان کی ۲۶ اور ۲۷ تاریخ کو بوقت صبح چاند دیکھا کرتے ہین ان دونون تاریخون کا چاند بہت باریک ہوتا ہے ۱۲

سلہ "تب کہا ہے بطرز استفہام" یعنی بطور استفہام انکاری اس طرح پر پوچھا ہے "کہ کیا غالب اس کا غلام نہین ہے" یعنی یہ جانتا ہے کہ غالب بھی ممدوح کا غلام ہے ۱۲

سلہ یعنی زہر غم سے میرا کام یونہین تمام ہو جاتا تو نے ناحق اپنے سر میرے قتل کا الزام لیا ۱۲

سلہ یعنی اگر وہ یہ جان جائین گے کہ مجھکو دشنام مین بھی لذت ملتی ہے تو گالی دینا بھی موقوف کر دین گے

کہہ چکا مین تو سب کچھ اب تو کہہ
کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
تو نہین جانتا تو مجھ سے سن
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
شسنہ سوار طریقۂ انصاف

اے پری چہرہ پیک تیز خرام
ہین مہ و مہر و زہرہ و بہرام
نام شاہنشہ بلند مقام
مظہر ذو الجلال و الاکرام
نو بہار حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
جس کا ہر قول معنی الہام

بزم میں میزبان قیصر و جم
رزم میں اوستاد رستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا
اے ترا عہد فرخی فرجام

چشم بد دور خسروانہ شکوہ
لوحش اللہ عارفانہ کلام

جان نثاروں میں تیرے قیصر روم
جرعہ خواروں میں تیرے مرشد جام

وارث ملک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

زور بازو میں مانتے ہیں تجھے
گیو و گودرز و بیژن و رہام

ق
مرحبا موشگافی ناوک
آفرین آبداری صمصام

ہ
تیر کو تیرے تیر غیر ہدف
تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
برق کو دے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیل گراں جسد کی صدا
تیرے رخش سبک عنان کا خرام

فن صورت گری میں تیرا گرز
گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام

ق
اس کے مضروب کے سر و تن سے
کیوں نمایاں ہو صورت ادغام

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
صفحہ ہائے لیالی و ایام

اور ان اوراق میں بہ کلک قضا
مجملاً مندرج ہوئے احکام

لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام

آسماں کو کہا گیا کہ کہیں
گنبد تیز گرد نیلی فام

حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں
خال کو دانہ اور زلف کو دام

آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و نم و رم و آرام

مہر رخشاں کا نام خسرو روز
ماہ تاباں کا نام شحنۂ شام

تیری توقیع سلطنت کو بھی
دی بدستور صورت ارقام

کاتب حکم نے بموجب حکم
اس رقم کو دیا طرازِ ام

ہے ازل سے روائی آغاز
ہو ابد تک رسائی انجام

شہ پہلے مصرع مین ممدوح کے تیر کی موشگافی کا ذکر کرتا ہے کہ وہ تیر تیرِ دشمن کو اپنا نشانہ بناتا ہے اور دوسرے مصرع مین آبداری تیغ کا حال لکھتا ہے کہ وہ تیغ تیغِ دشمن کو کاٹ ڈالتی ہے ۱۲

سلہ لف و نشر مرتب ہے یعنی آتش کے لیے سوز - آب کے لیے نم - باد کے لیے رم اور خاک کے لیے آرام آیا ہے

قصیدہ

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا

خسروِ انجم کے آیا صرف مین — سلہ — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا

ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ — دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا

سطحِ گردون پر پڑا تھا رات کو — موتیون کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر — اک نگارِ آتشین رخ سر کھلا

تھی نظربندی کیا جب ردِ سحر — بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے — رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و امان کا در کھلا

تاجِ زرین مہرِ تابان سے سوا — خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا

شاہِ روشن دل بہادر شہ کہ ہے — رازِ ہستی اُس پہ سرتاسر کھلا

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین مین — مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے — عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اُس کے سرہنگون کا جب دفتر کھلا

روشناسون کی جہان فہرست ہے — وان لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

ق توسنِ شہ مین ہے وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا

نقشِ پا کی صورتین وہ دلفریب — تو کہے بت خانۂ آزر کھلا

مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کھلا

تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید — کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

لاکھ عقدے دل مین تھے لیکن ہر ایک
میری حدِ وسع سے باہر کھلا

باغ معنے کی دکھاؤن گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہان گرم غزل خوانی نفس
لوگ جانین طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج مین بیٹھا رہون یون پر کھلا
کاش کے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکارین اور کھلے یون کون جائے
یار کا دروازہ پاوین گر کھلا

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا

مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ
رہروی مین پردۂ رہبر کھلا

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک
آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ
رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

خامے نے پائی طبیعت سے مدد ۵۲
بادبان کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا

مدح سے ممدوح کے دیکھے شکوہ ۵۳
یان عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علوے پایۂ منبر کھلا

سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیارِ آبروے زر کھلا

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ ۵۴
اب مآلِ سعیِ اسکندر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا

ہو سکے کیا مدح ہان اک نام ہے
دفترِ مدحِ جہان داور کھلا

فکر اچھی پر ستایش ناتمام | عجز اعجاز ستایش گر کھلا
جانتا ہوں ہے خط لوح ازل | تم پہ اے خاقان نام آور کھلا
تم کرو صاحبقرانی جب تلک | ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

سلہ خسرو انجم سے مراد آفتاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے نور مین تارے چھپ گئے گویا خسرو انجم نے گنجینۂ گوہر کو صرف کر ڈالا ۱۲

سلہ قلم کو لنگر سے تشبیہ دی اور طبیعت کو بادبان سے یعنی جس وقت قلم روان ہوا طبیعت بھی کھل گئی ۱۲

سلہ مدح عرض ہے اور ممدوح جوہر۔ بیان مدح سے ممدوح کے شکوہ کا حال معلوم ہوا گویا عرض سے جوہر کا رتبہ کھلا ۱۲

سلہ یعنی ایجاد آئینہ سے سکندر کی یہی غرض تھی کہ ممدوح کی آئینہ داری کی عزت حاصل کرے ۱۲

در صفت انبہ

ہان دل دردمند زمزمہ ساز | کیون نہ کھولے در خزینۂ راز
خامے کا صفحے پر روان ہونا | شاخ گل کا ہے گل فشان ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے | نکتہ ہاے خرد فزا لکھیے
بارے آمون کا کچھ بیان ہو جائے | خامہ نخل رطب فشان ہو جائے
آم کا کون مرد میدان ہے | ثمر و شاخ گوے و چوگان ہے
تاک کے جی مین کیون رہے ارمان | آئے یہ گوے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جاوے خاک | پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور | بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے | شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمھین خبر کیا ہے | آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اُس مین نہ شاخ و برگ نہ بار | جب خزان آئے تب ہو اسکی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہان | جان شیرین مین یہ مٹھاس کہان
جان مین ہوتی گر یہ شیرینی | کوہکن باوجود سنگینی

جان دینے مین اس کو یکتا جان — پر وہ یون سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہے یون مجھے یہ ثمر — کہ دواخانۂ ازل مین مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے — باغبانون نے باغِ جنت سے

انگبین کے بحکمِ رب الناس — بھر کے بھیجے ہین سربمہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات — مدتون تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمر فشان یہ نخل — ہم کہان ورنہ اور کہان یہ نخل

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس — رنگ کا زرد پر کہان بو باس

آم کو دیکھتا اگر اک بار — پھینک دیتا طلائے دست افشار

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا — نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہروِ راہِ خلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم — ناز پروردۂ بہار ہے آم

خاص وہ آم جو نہ ارزان ہو — نوبرِ نخلِ باغِ سلطان ہو

وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد — عدل سے اس کے ہے حمایتِ عہد

فخرِ دین عزِ شان و جاہ و جلال — زینتِ طینت و جمالِ کمال

کارفرمائے دین و دولت و بخت — چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے — خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور — جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور

اس خداوندِ بندہ پرور کو — وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد و دل شاد و شادمان رکھیو
اور غالب پہ مہربان رکھیو

قطعات

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر — اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پاؤن سے تیرے ملے فرقِ ارادت اورنگ ۵۱ فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکلیل

تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام ۵۲ تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قربِ کلیم ۵۳ تجھ سے دنیا مین بچھا مائدہ بذلِ خلیل

بہ سخن اوج دہِ مرتبۂ معنی و لفظ ۵۴ بکرم داغ نہِ ناصیۂ قلزم و نیل

تا ترے وقت مین ہو عیش و طرب کی توفیر ۵۵ تا ترے عہد مین ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین تیری بخشش مری انجاحِ مقاصد کی کفیل

تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی نوید تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو امان چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھکو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتۂ اوقات مین گانٹھ ۵۶ پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر مین کیل

تپشِ دل نہین بے رابطۂ خوفِ عظیم ۵۷ کششِ دم نہین بے ضابطۂ جرِّ ثقیل

درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی ۵۸ غمِ گیتی سے مرا سینہ اَمَر کی زنبیل

فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر ۵۹ کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکان خستہ نوازی مین یہ دیر
کعبۂ امن و امان عقدہ کشائی مین یہ ڈھیل

۵۱ تخت تیرے قدمون سے اپنا سر ارادت ملتا ہے اور تاج تیرے سر سے کسب سعادت کرتا ہے۔

۵۲ تیرا اندازِ سخن الہام کی زلف کا شانہ ہے یعنی وہ الہامی دقایق کو سلجھا دیتا ہے۔

۵۳ تجھکو قربِ کلیم و بذلِ خلیل دونون حاصل ہین۔

۵۴ تیرے کلام سے معنی و لفظ کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور تیرے کرم سے قلزم و نیل شرمندہ ہے ۱۲۔

۵۵ ماہ کا برج ثور مین اور زہرہ کا برج حوت مین ہونا مبارک ہوتا ہے۔ پس غالب کہتا ہے کہ اس غرض سے کہ تیرے عہد مین ہمیشہ عیش و عشرت قائم رہے ماہ و زہرہ نے ثور و حوت مین مستقل طور پر قیام کر لیا ہے ۱۲۔

۵۶ یعنی جب ناخن تدبیر کو کیل ٹھونک کر بیکار کر دیا تب تیرے رشتۂ اوقات مین گرہ ڈالی کہ کسی طرح کھل ہی نہ سکے ۱۲

۵۷ یعنی تپش دل میرے لیے موجب خوف عظیم ہے اور سانس لینا جرثقیل سے کم نہین ۔۱۲

۵۸ مشہور ہے کہ لقا کی داڑھی کے ہر ہر بال مین موتی پروئے گئے تھے اور عمرو عیار کی زنبیل کی نسبت تو سب جانتے ہین کہ جو کچھ اس مین پڑتا تھا غائب ہو جاتا تھا اور وہ کبھی پُر نہ ہوتی تھی ۔۱۲
غالب نے عمرو کے بجائے "اقمر" شاید بلحاظ ادب لکھا ہے یعنی اس خیال سے کہ عمرو عیار جو ایک فرضی نام ہے اس مین اور حضرت عمر ابن امیّہ صحابی کے نام مین خلط ملط نہ ہو جائے ۔

۵۹ یعنی گو میری عبارت قلیل ہے لیکن اس مین معانی اور اشارات کثیر ہین ۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیرون کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر[۱] ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہین کیون ہم نہ کہتے تھے

۱ "تقریر کردن" فارسی محاورے کا ترجمہ کیا ہے "غیرون کی وفاداری تقریر کیا کرتے تھے" یعنی بیان کرتے تھے ۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
اک تیر میرے سینے مین مارا کہ ہائے ہائے

وہ سبزہ زار ہائے مطرّا کہ ہے غضب
وہ نازنین بتان خود آرا کہ ہائے ہائے

صبر آزما وہ ان کی نگاہین کہ حف نظر
طاقت ربا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے ہائے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیرین کہ واہ واہ (چشم بد دور)
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بہ دندان کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بہ گریبان کہ اسے کیا کہیے

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے
حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے

مسی آلود سر انگشت حسینان لکھیے
داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے

خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے
سر پستان پری زاد سے مانا کہیے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دل کش لیلا کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوے بیابان ختن کا کہیے

وضع مین اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق
رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

صومعے مین اسے ٹھیرایے گر مہر نماز
میکدے مین اسے خشت خم صہبا کہیے

کیون اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
کیون اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے
کیون اُسے گوہرِ نایاب تصور کیجیے
کیون اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے
کیون اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے
کیون اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہیے
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

قطعہ

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہون نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہین مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے
آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلحِ کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہین مجھے
اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے
جامِ جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہین مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہین مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے
مقطع مین آپڑی ہے سخن گسترانہ بات[1]
مقصود اس سے قطعِ محبت نہین مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہین
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے

صادق ہون اپنے قول مین غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

[1] یہ اشارہ سہرے کے اس مقطع کی جانب ہے ۔

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

جس کو سُنکر بہادر شاہ کو خیال ہوا کہ مرزا نے ذوق پر چوٹ کی ہے ۔ چنانچہ یہ قطعہ غالب نے

بادشاہ کی رفع بدگمانی ہی کی غرض سے لکھا تھا ۔۱۲

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہون گے موتی
ورنہ کیون لائے ہین کشتی مین لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہون گے موتی
تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولھا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی مین اترائین نہ موتی کہ ہمین ہین اک چیز
چاہیے پھولون کا بھی ایک مکرر سہرا

جبکہ اپنے مین سماوین نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولون کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک
کیون نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہین ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گران باری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

اور مین وہ ہون کہ گر جی مین کبھی غور کرون
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سردست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ مین تیرے رہے توسن دولت کی عنان
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

اس پہ گذرے نہ گمان ریو و ریا کا زنہار
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چار شنبہ آخر ماہِ صفر چلو — رکھ دین چمن مین بھر کے مئے مشک بو کی ناند

جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست — سبزے کو روندتا پھرے پھولون کو جائے پھاند

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مدحِ بادشاہ — بھاتی نہین ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

بٹتے ہین سونے روپے کے چھلّے حضور مین — ہے جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ ماند

یون سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوے — لاکھون ہی آفتاب ہین اور بے شمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہان بخش جہان دار — ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو — تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی باشارت

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر — سلہ — گر لب کو نہ دے چشمۂ حیوان سے طہارت

آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا — ہے فخرِ سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی — سلہ — ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلان — ق — تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت

ڈھونڈھے نہ ملے موجۂ دریا مین روانی — باقی نہ رہے آتشِ سوزان مین حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی مین توغل — ہے گرچہ مجھے سحر طرازی مین مہارت

کیونکر نہ کرون مدح کو مین ختم دعا پر — قاصر ہے شکایت سے تری میری عبارت

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوے ہین — نظارگیِ صنعتِ حق اہلِ بصارت

تجھ کو شرفِ مہرِ جہان تاب مبارک
غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

سلہ یعنی یہ ممکن نہین ہے کہ خضر بغیر چشمۂ حیوان سے لب کو پاک کیے ہوے سکندر سے تیرا ذکر کرے ۱۲

سلہ یعنی تیرے ساتھ ارادت رکھنا گویا خدا کا حکم بجا لانا ہے اور تیری غلامی امارت سے بڑھ کر ہے ۱۲

قطعہ

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو ۔۔۔ اس شخص کو ضرور ہے روزہ کھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہو ۔۔۔ روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گذارشِ مصنف بحضورِ شاہ

اے شہنشاہِ آسمان اورنگ ۔۔۔ اے جہاندارِ آفتاب آثار
تھا مین اک بے نوائے گوشہ نشین ۔۔۔ تھا مین اک دردمند سینہ فگار
تم نے مجھکو جو آبرو بخشی ۔۔۔ ہوئی وہ میری گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز ۔۔۔ روشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روے ننگِ بے ہنری ۔۔۔ ہون خود اپنی نظر مین اتنا خوار
کہ گر اپنے کو مین کہون خاکی ۔۔۔ جانتا ہون کہ آئے خاک کو عار
شاد ہون لیکن اپنے جی مین کہ ہون ۔۔۔ بادشہ کا غلام کارگزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح ۔۔۔ تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر ۔۔۔ نسبتین ہو گئین مشخص چار
نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون ۔۔۔ مدعاے ضروری الاظہار
پیر و مرشد، اگرچہ مجھکو نہین ۔۔۔ ذوقِ آرایشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر ۔۔۔ تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش ۔۔۔ جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہین ہے اب کی سال ۔۔۔ کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ ۔۔۔ بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہان تلک انسان ۔۔۔ دھوپ کھاوے کہان تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی ۔۔۔ وقنا ربنا عذاب النار
میری تنخواہ جو مقرر ہے ۔۔۔ اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھکو دیکھو تو ہون بہ قید حیات
اور چھ ماہی ہو سال مین دوبار

بسکہ لیتا ہون ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار

میری تنخواہ مین تہائی کا
ہو گیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھ سا نہین زمانے مین
شاعر نغز گوے خوش گفتار

رزم کی داستان اگر سُنیے
ہے زبان میری تیغ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے
ہے قلم میری ابر گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

آپ کا بندہ اور پھرون ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤن اُدھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

ختم کرتا ہون اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہین مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

قطعات

سیہ گلیم ہون لازم ہے میرا نام نہ لے
جہان مین جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

سہل تھا مسہل و لے یہ سخت مشکل آ پڑی
مجھ پہ کیا گذرے گی اتنے روز حاضر بن ہوے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدین یہ سب کے دن ہوے [۱]

[۱] یعنی کل بارہ روز کی رخصت مانگی ہے۔

خجستہ انجمنِ طوے میرزا جعفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ

ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال مین غالب
نہ کیون ہو مادۂ سالِ عیسوی محظوظ ۱۸۵۴

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب مین رقصِ ناہید

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید ۱۲ھ

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں ... دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام ... اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

لہ یہ دربار شاہی کا ایک قاعدہ تھا کہ اگر بادشاہ کے سوا کسی کو سلام کرنا ہوتا تھا تو بجائے پیشانی پر ہاتھ رکھنے کے کانوں کی جانب ہاتھ لیجاتے تھے۔

رباعی

بعد از اتمام بزم عید اطفال ... ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آ پہونچے ہیں تا سواد اقلیم عدم ... اے عمر گزشتہ یک قدم استقبال

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا ... کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ... ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

لہ زلف و روئے یار کی یاد میں جو آنسو نکلے اس میں زلف و رخ کی سیاہی اور سپیدی کے اثر سے آنکھ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ہیں میں گویا ہزار آنکھ سے رویا۔ ۱۲

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال ... ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی ... لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

لہ موجد عشق نے اطفال حسین کے لیے اچھا کھیل نکالا ہے کہ عشاق کے سوز جگر کا آتش بازی کے طور پر تماشا دیکھتے ہیں۔ ۱۲

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی ... بے تابی رشک و حسرت دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس ... تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

لہ درد تمہید جان کی صفت ہے یعنی کیسی جان جسکی تمہید درد سے ہو۔ ۱۲ ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک ہمارے پاس دل تھا اُس وقت تک ہم نے رنج و الم رشک و حسرت سب ہی کچھ برداشت کیا لیکن اب تو ہم ہیں اور افسردگی پس الٹی حالت میں اے تجلی یار اگر تکرار ممکن نہیں ہے تو تجدید ہی سہی بہرحال کسی طرح سے اس سوز و ساز اور رشک و حسرت کی لذت پھر حاصل ہو۔ ۱۲

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے ... وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورت کاغذ باد ... ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا ... اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں ... غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالبؔ
دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالبؔ
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہین
سونا سوگند ہو گیا ہے غالبؔ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہین فرمایش
گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

بھیجی ہے جو مجھکو شاہ جمجاہ نے دال
ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

ہین شہ مین صفاتِ ذوالجلالی باہم
آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہون شاد نہ کیون سافل و عالی باہم
ہے اب کی شبِ قدر و دوالی باہم

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے
تا شاہ شیوعِ دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر مین گانٹھ
ہے صفر کہ افزایشِ اعداد کرے

اس رشتے مین لاکھ تار ہون بلکہ سوا
اتنے ہی برس شمار ہون بلکہ سوا
ہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کرین
ایسی گرہین ہزار ہون بلکہ سوا

کہتے ہین کہ اب وہ مردم آزار نہین
عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہین
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا سلہ
کیونکر مانون کہ اُس مین تلوار نہین

سلہ ہاتھ اُٹھانا ایک تو معمولی معنون مین مستعمل ہے مثلاً مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھانا اور ایک ترک کرنے کے معنون مین مثلاً ظلم سے ہاتھ اُٹھانا یہان ان دونون معنون پر غور کرنے سے مضمون کا لطف دریافت ہو سکتا ہے۔

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہین درنگ کام کرنے والے
کہتے ہین کہین خدا سے اللہ اللہ سلہ
وہ آپ ہین صبح و شام کرنے والے

قطعہ

سامان خور و خواب کہان سے لاؤن
آرام کے اسباب کہان سے لاؤن
روزہ مرا ایمان ہے غالبؔ لیکن
خس خانہ و برفاب کہان سے لاؤن

ان سیم کے بیجون کو کوئی کیا جانے
بھیجے ہین جو ارمغان شہ والا نے
گن کر دیوین گے ہم دعائین سو بار
فیروزے کی تسبیح کے ہین یہ دانے

سلہ وہ یعنی خدا خود ہی صبح و شام کیا کرتا ہے۔ صبح شام کرنا ٹالنے کے معنون مین مستعمل ہے۔

ضمیمہ[۱]

غزل

لطف نظارہ قاتل دم بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری
دوست جو ساتھ مرے تا لب ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو لے شیخ
ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو وہ برہم زن ہنگامۂ محفل آئے

دیدہ خونبار ہے مدت سے و لے آج ندیم
دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے

سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

[۱] اس ضمیمہ میں وہ غزلیں اور اشعار ہیں جو راقم حروف کو مختلف ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں اور جو مطبوعہ دیوان غالب میں موجود نہیں حسرت

غزل دیگر

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

تم ہو بت پھر تمھیں پندار خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

خلد میں کیجے تو دوزخ بھی ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

ہم سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

جاتا ہوں جدھر اُٹھتی ہے سب کی اُدھر انگشت
یکدست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

کس قدر خاک ہوا ہے دل مجنوں یارب
نقش ہر ذرہ سویدائے بیابان نکلا

برہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
نگیں میں جوں شرار سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا

مسی آلودہ ہے مُہر نوازش نامہ ظاہر ہے
کہ داغ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

بامید نگاہ خاص ہوں محمل کش حسرت
مبادا ہو عنان گیر تغافل لطف عام اُس کا

شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
شوخی وحشت سے افسانہ فسون خواب تھا

واں ہجوم نغمہ ہائے ساز عشرت تھا اسد	ناخنِ غم یاں سرِ تارِ نفس مضراب تھا
دود و کو آج اس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی	وہ دلِ سوزاں کہ کل تک شمعِ ماتم خانہ تھا
شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا	غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا
پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے	رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا
معزولیٔ تپش ہوئی افراطِ انتظار	چشمِ کشودہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج
میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب	جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں
مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل	بادہ غالب عرقِ بید نہیں
ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن	قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن
ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں	خارِ الم سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں
ہوں گرمیٔ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج	میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں
ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو	برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو
ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا	جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ
ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے	عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ آہ
دردِ جدائیٔ اسد اللہ خاں نہ پوچھ

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ اڑ نہیں سکتا	حنائے پنجۂ صیاد مرغِ رشتہ بر پا ہے
غالب زبسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک	آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی
بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر	کہ چشمِ تر میں ہر اک پارۂ دل پائے در گل ہے
کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو	تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
حیراں ہوں شوخیٔ رگِ یاقوت دیکھ کر	یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برابر ہے

قاضی القضاۃ کلکتہ مولوی سراج الدین علی خان موحد مولانی کی فرمائش سے مرزا نے اپنے دیوان اردو و فارسی کا خود انتخاب کر کے اس کا نام گلِ رعنا رکھا تھا۔ راقم کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے چنانچہ اشعار ضمیمہ اسی سے نقل کیے گئے ہیں۔ "حسرت" فقط

تمت